لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النور

جماعتہائے احمدیہ امریکہ
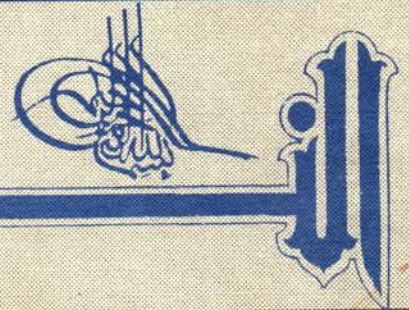
خلافت نمبر

جماعت احمدیہ میں قیام خلافت کی عظیم الشان پیشگوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام رسالہ الوصیت میں تحریر فرماتے ہیں۔

سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیساکہ براہین احمدیہ میں وعدہ ہے۔ اوروہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیساکہ خدا فرماتاہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔

The **Ahmadiyya Gazette** and **Annoor** are published by the **Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.**
15000 Good Hope Road, SILVER SPRING, MD 20905. Ph: (301) 879-0110
Printed at the Fazl-i-Umar Press and distributed from Chauncey, OH 45719

NON PROFIT ORG
U.S. POSTAGE
P A I D
CHAUNCEY OHIO
PERMIT # 1

Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.
P. O. Box 226
CHAUNCEY< OH 45719

لِیُخرِجَ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی

مئی ۱۹۹۷ء ہجرت ۱۳۷۶ ہش

فہرست مضامین

امیر صاحبزادہ مرزا مظفر احمد

مدیر سید شمشاد احمد ناصر

القرآن الحکیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دیگا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ اور جو دین اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے وہ ان کے لیے اُسے مضبوطی سے قائم کردیگا اور اُن کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لیے امن کی حالت تبدیل کردے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے (اور) کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دئے جائیں گے۔

اور تم سب نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰتیں دو، اور اس رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(اور اے مخاطب) کبھی خیال نہ کر کہ کفار زمین میں ہمیں اپنی تدبیروں سے عاجز کردیں گے اور ان کا ٹھکانا تو دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ۔

(مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۰۴)

ترجمہ:- یعنی اے مسلمانو! تم میں یہ نبوت کا دور اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ خدا چاہے گا کہ وہ قائم رہے۔ اور پھر یہ دور ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد خلافت کا دور آئے گا جو نبوت کے طریق پر قائم ہوگی۔ (اور گویا اس کا تتمہ ہوگی) اور پھر کچھ وقت کے بعد یہ خلافت بھی اُٹھ جائے گی۔ اس کے بعد کاٹنے والی (یعنی لوگوں پر ظلم کرنے والی) بادشاہت کا دور آئے گا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ دور بھی ختم ہوجائے گا اس کے بعد جبری حکومت کا دور آئے گا۔ اور پھر یہ حکومت بھی اُٹھ جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ خلافت کا دور آئے گا جو ابتدائی دور کی طرح نبوت کے طریق پر قائم ہوگی۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

خلفائے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اہم اور زرّیں ارشادات

دینی ضروریات کیلئے دُنیا سے بڑھ کر جوش و جذبہ پیدا کریں

ارشاد سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دیکھو اور اپنے حالات کا خود مطالعہ کرو کہ جس قدر تڑپ کوشش اور اضطراب دنیوی اور ان ادنیٰ ضروریات کے لئے دل میں ہے کم از کم اتنا ہی جوش دینی ضروریات کے لئے بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دین کو دنیا پر تقدم تو کہاں برابری بھی نصیب نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں وہ معاہدہ جو امام کے ہاتھ پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر کیا ہے، کہاں پورا کیا۔ میں نے خود تجربہ کیا ہے، ہزاروں خطوط میرے پاس آتے ہیں جن میں ظاہری بیماریوں کے ہاتھ سے نالاں لوگوں نے جو جو اضطراب ظاہر کیا ہے میں اسے دیکھتا ہوں۔ لیکن مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ وہ ظاہری بیماریوں کے لئے تو اس قدر گھبراہٹ ظاہر کرتے ہیں، مگر باطنی اور اندرونی بیماریوں کے لئے انہیں کوئی تڑپ نہیں۔

باطنی بیماریاں کیا ہوتی ہیں۔ بدظنّی، منصوبہ بازی، تکبّر، دوسرے کی تحقیر، غیبت اور اس قسم کی بدذاتیاں اور شرارتیں، شرک ..... وغیرہ ان امراض کا وہ کچھ بھی فکر نہیں کرتے اور معالجہ کی تلاش انہیں نہیں ہوتی، میں جب ان بیماریوں کے خطوط پڑھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیوں یہ اپنے روحانی امراض کا فکر نہیں کرتے۔

نفس کو کبھی توکّل اور صبر کے مسائل پیش کر دیتا ہے۔ لیکن جب ظاہری بیماریاں آکر غلبہ کرتی ہیں تو پھر سب کچھ بھول جاتا ہے اور تردّد کرتا ہے لیکن جب روحانی بیماریوں کا ذکر ہو تو توکل کا نام لے دیتا ہے یہ کیسی غلطی اور فروگذاشت ہے۔ ان دونوں نظاموں کو مختلف پیمانوں اور نظروں سے دیکھتا ہے یعنی باطنی اور روحانی امور میں تو کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اور ظاہری امور میں اس کا نام شدید البطش رکھا ہے۔ یہ نادانی اور غلطی ہے خدا تعالیٰ دونوں امور میں اپنی صفات کی یکساں جلوہ نمائی کرتا ہے۔ پس جو لوگ امور دنیا میں تو سر توڑ کوششیں کرتے ہیں اور اسی کو اپنی زندگی کا اصل مقصد اور منشاء اعظم سمجھتے ہیں اور دین کو بالکل چھوڑتے ہیں، وہ غلطی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی صفات پر غور نہیں کرتے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ر فروری ۱۹۰۵ء)

سچائی اختیار کرنے سے دوسری نیکیوں کی توفیق ملتی ہے

ارشاد سیّدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

”سچائی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ دوسری بہت سی نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ جب انسان سچائی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جن اخلاق کو وہ خدا تعالیٰ سے نہ ڈر کر خراب کر رہا تھا انہیں بندوں کے ڈر کی وجہ سے اچھا بنانے لگ جاتا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ دُنیا میں سچائی کی قیمت سب سے کم ہے۔ جب بھی کوئی شخص بات کرتا ہے تو وہ اصل بات کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اپنے گردو پیش کے افسروں کو دیکھتا ہوں کہ جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ ”ہاں“ یا ”نہ“ میں جواب نہیں دیتے مثلاً اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا آپ فلاں جگہ گئے تھے تو وہ یہ جواب نہیں دیں گے کہ ہم وہاں گئے تھے یا نہیں گئے تھے۔ وہ ”ہاں“ اس لئے نہیں کہتے کہ سُستی کی وجہ سے انہوں نے کام نہیں کیا۔ اور جہاں انہیں جانے کے لئے کہا گیا تھا وہاں نہیں گئے اور ”نہیں گئے“ اس لئے نہیں کہتے کہ ان کا جرم پکڑا گیا ہے وہ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ حضور اصل بات یہ ہے کہ فلاں نے فلاں بات کی تھی اس کا مطلب اصل میں یوں تھا۔ میں نے اس سے یہ سمجھا اور اس طرح لمبی بات کرنی شروع کر دیں گے۔ وہ سیدھا یہ نہیں کہیں گے کہ میں فلاں جگہ نہیں گیا، بلکہ بات کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اگر جواب ”ہاں“ ہوتا ہے تو وہ ہاں میں جواب نہیں دیتے اور اگر جواب ”نہیں“ ہوتا ہے تو وہ ”نہیں“ میں جواب نہیں دیتے۔ یہ ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ وہ اپنی سُستی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اپنی سُستی پر پردہ ڈال کر بات تو ہو جاتی ہے لیکن اصلاح نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ سچائی ایک ایسی چیز ہے جس سے اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے اور قوم کی اصلاح ہوتی ہے۔ پس آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ سچائی اختیار کریں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں آخر دنیا میں ہزاروں

ہزار راستباز گزرے ہیں۔ اس لئے یہ کوئی ایسی بات نہیں جو نہیں ہوسکتی تم فیصلہ کرلو کہ ہم نے سچ بولنا ہے، چاہے اس کے بدلہ میں ہم ذلیل ہوں، شرمندہ ہوں یا ہمیں کوئی اور نقصان اٹھانا پڑے پھر دیکھو تمہارے اخلاق کی کتنی جلدی درستی ہو جاتی ہے۔ پس میں ان مختصر الفاظ میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ سچائی کو اختیار کریں۔ بات مختصر ہے لیکن ہے بہت بڑی۔ کہنے کو تو یہ ایک منٹ میں کہی جاسکتی ہے لیکن نتیجہ اس کا صدیوں کی بھلائی اور قومی ترقی ہے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ فروری ۱۹۵۲ء)

کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے

ارشاد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

ایک صفائی کا تعلق کانوں سے ہے۔ اسلام نے ہمیشہ ہی اس قسم کی صفائی کو قائم رکھنے پر زور دیا ہے، لیکن خصوصاً اجتماعات کے موقع پر کہا گیا ہے کہ دیکھو اس قسم کا گند بھی فضا میں نہ ہو۔ فضا میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آواز کی لہریں ہماری فضا میں چکر لگا رہی ہوتی ہیں چنانچہ کہا کہ پبلک پلیسز (یعنی عوام الناس کے استعمال کی جگہوں) جن میں سڑکیں بھی ہیں اور سڑکوں کے علاوہ بعض اور مقامات بھی ہوتے ہیں جہاں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، وہاں رفث نہیں ہونا چاہیئے، فحش کلامی نہیں ہونی چاہیئے، ایسی بات نہیں ہونی چاہیئے جو اچھی نہ لگے اور قبیح ہو۔ آگے اس کے کئی درجے ہیں۔ بعض ایسی باتیں ہیں کہ اگر دوست گھر کے اندر بیٹھے ہوئے آپس میں ہنسی مذاق کرلیں تو وہ قابل اعتراض نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر وہی چیز سڑکوں پر کی جائے تو وہ قابل اعتراض ہو جاتی ہے۔ بعض ایسی باتیں ہیں کہ اگر مردوں میں ہورہی ہوں تو اتنی زیادہ قابل اعتراض نہیں ہوتیں لیکن اگر کوئی بہن وہاں سے گزر رہی ہو اور اس کے کانوں میں بھی وہ آواز پڑ جائے تو وہ بات بڑی سخت قابل اعتراض ہو جاتی ہے کہ تم نے اپنی بہنوں کا خیال نہیں رکھا اور اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھا۔ پس خاص طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اپنے ماحول کو جس میں ساؤنڈ ویوز یعنی صوتی لہریں ہر وقت چل رہی ہیں، صاف رکھو۔ جب ہم بولتے ہیں تو آواز کی لہریں چلتی ہیں۔ ان میں گندگی نہیں ہونی چاہیئے وہ بھی صاف ہونی چاہئیں۔

پھر ایک مرکب گندگی یہ ہے کہ کوئی لڑ پڑے اس میں آواز بھی آئے گی اور دیکھنے والا اور پاس سے گزرنے والا کراہت محسوس کرے گا کہ جو بھائی بنیان مرصوص بنائے گئے ہیں ان کا آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے اور وہ بھی پبلک پلیس (PUBLIC PLACE) پر رہا ہے، اجتماعات میں اس قسم کے واقعات ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے، کیونکہ بڑے اجتماعات میں بعض دفعہ ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنے میں سستی ہو جاتی ہے لیکن بعض بڑے اچھے ہوتے ہیں....

غرض اجتماعات میں بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو دوسروں کو تکلیف دے سکتی ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ چھوٹی بات ہو یا بڑی اگر تکلیف پہنچے تو آدمی اسے برداشت کر جائے جھگڑا نہیں کرنا۔ اخلاقی لحاظ سے یہ پاکیزگی، یہ طہارت، یہ صفائی فضا ہی میں ہونی چاہیئے۔ گندگی سے پاک اور مطہر فضا ہونی چاہیئے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲ نومبر ۱۹۷۸ء)

قبولیت دعا کیلئے عملی تائید بھی ضروری ہے

ارشاد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

"بسا اوقات دعا کرنے والے کا عمل انسان کی دعاؤں کا مددگار بنتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں مستجاب الدعوات ہے، نیک ہے اس سے دعا کی درخواست کرو۔ اس درخواست میں یہی مفہوم پیش نظر آتا ہے ورنہ دعا تو ہر ایک انسان کرتا ہے اور بعض دفعہ بدوں کی دعا بھی سنی جاتی ہے اس سے کوئی انکار نہیں لیکن جس کا عمل مستقل طور پر دعا کی مدد کر رہا ہے وہ اس کو طاقت بہم پہنچا رہا ہے اس کی دعا واقعۃً عرش تک پہنچ رہی ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ جس کے لئے دعا کی جاتی ہے، اس کا عمل بھی ضروری ہوتا ہے۔ اگر وہ ان نیکیوں سے بے پرواہ ہے جن نیکیوں کے لئے اس کی خاطر دعا کی جاتی ہے تو اس کے حق میں قبول نہیں کی جاتی۔ اس مسئلہ کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں بعض لوگوں نے حدیثوں کے مفہوم کو سمجھا نہیں اور غلط اعتراضات پیدا ہوتے ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اشخاص کی ہدایت کی دعا خاص طور پر اپنے رب سے کی تھی۔ ایک وہ جو ابوجہل کے نام سے مشہور ہوا اور ایک ان میں سے عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ عمرؓ کے حق میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی اور بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ ابوجہل کے حق میں مقبول نہیں ہوئی اور گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا نامقبول ہوئی۔ آپؐ کی دعا نامقبول نہیں ہوئی یہ کلمہ گستاخی کا ہے بلکہ ابوجہل کا عمل نامقبول تھا اور اس عمل کی نامقبولیت جو اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ وہ جاہل کا جاہل مر گیا بلکہ ابوجہل ہو کے مرا۔ اس لئے جس کے حق میں دعا کی جاتی اس کے عمل کی صداقت اس کی سچائی دعا کرنے والے کی دعاؤں کی مدد کر رہی ہوتی ہے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ جون ۱۹۸۶ء)

ایک بزرگ درویش کا القاءِ ربانی

سب کو چھوڑو خلیفے کو پکڑو

مرسلہ :۔ مکرم منیر احمد جاوید ، لندن

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی جماعت احمدیہ کے ایک نہایت بلند پایہ بزرگ تھے ۔ انہوں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظر خدمت درویشان کے نام پارٹیشن کے جلد بعد ۵ فروری ۱۹۵۰ء کو قادیان سے جو خط لکھا وہ اس لائق ہے کہ اسے آج بھی دہرایا جائے اور آج کی احمدی نسلیں بھی ان بزرگوں سے فیضیاب ہوں ۔ یہ ایسے ربّانی وجود تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ اور دوسرے بزرگ ہمیشہ ان کو استخاروں اور دُعا کے لئے کہا کرتے تھے اور ان کا بھی خدا تعالیٰ سے اتنا روشن اور زندہ تعلق تھا کہ ہر الجھے ہوئے مسئلہ کا جواب بڑی جلدی صفائی سے انہیں بتا دیا جاتا ۔ خدا کرے کہ آج کی احمدی نسل میں بھی بکثرت ایسا اُجلا ذاتی تعلق باللہ رکھنے والے پیدا ہوں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

حضرتِ محترمی حبّی فی اللہ میاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱۹۴۷ء کے فسادات میں جب حالات زیادہ بگڑ رہے تھے اور کچھ احمدی احباب بھی قادیان سے رختِ سفر باندھ رہے تھے ۔ مجھے ازحد تشویش ہوئی کہ دارالکفر سے نکل کر قادیان میں آیا تھا اب پھر کہاں جاؤں ؟ اس وقت امیر جماعت آپ تھے ۔ میں براہِ راست آپ کے پاس اسی لئے یہاں سے نکلنے کی بابت کبھی نہیں آیا ۔ پھر لکھ کر یا مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو لکھ کر آپ کا عندیہ معلوم کیا ۔ تو چونکہ صلحاء کی فراست میں نوراللہ ہوتا ہے ۔ آپ نے یہی مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیں ۔ بعد میں جب حالات اور ابتر ہو گئے اور یہ حکم ہوا کہ جوان لڑکیاں اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں چلے جائیں ۔ میں نے اس وقت بڑے اضطراب سے دُعا کی تو یہ الفاظ میری زبان پر تھے کہ

"قادیان سے جانا شومئی قسمت ہے"

میں نے اپنی مرحومہ بیوی سے کہا کہ تم چلی جاؤ میں نہیں جاؤں گا نہیں معلوم کیسی تکلیفیں پیش آئیں ۔ لیکن انہوں نے کہا کہ آپ نہیں جاتے تو میں بھی نہیں جاؤں گی ۔ پھر میں نے آپ کے پاس مولوی فضل الدین صاحب کو بھیجا کہ یہ حالات ہیں مولوی صاحب نے واپس آکر مجھے یہ بتایا کہ ان حالات میں آپ کو میاں صاحب اجازت دیتے ہیں ۔ بات تو صاف تھی کہ قادیان میں رہنا خوش نصیبی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا منشا بتا دیا تھا لیکن حالات پیش آمدہ میں میں اپنی اہلیہ اور پانچ جوان لڑکیوں کو لے کر گیا ۔ گو بفضلہ تعالیٰ مجھے بعد میں اکیلے قادیان واپس آنے کی توفیق مل گئی لیکن ابتداءً قادیان سے نکلنے کا خیال آتا ہے تو ازحد تکلیف ہوتی ہے ۔ ۲۹ جنوری ۱۹۵۱ء کو میرے لڑکے کا خط آیا کہ آپ کی دعاؤں کے طفیل میں میجر ہو گیا ہوں ۔ میں نے اسے لکھا کہ آپ بال بچوں والے ہیں آپ کے رزق میں فراخی باعث راحت ہے ۔ لیکن میری ازحد خوشی اس وقت ہو گی جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا لئے ہوئے جنت الفردوس میں داخل ہوں گے نیکی سے غافل نہ رہیں ۔ بحمداللہ میں اچھا ہوں ۔ لیکن اکیلا رہنا اور تنہائی کبھی کبھی محسوس ہوتی ہے (اس عرصہ میں میری دیرینہ رفیق حیات اور محسنہ بیوی بھی پاکستان میں فوت ہو چکی ہے) لیکن خدا تعالیٰ کا ساتھ ہے اس لئے خوشی ہی خوشی ہے ۔ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم ہے اس نے بھی اسباب بادیہ پر نظر رکھتے ہوئے اصلاحی صورت میں صدق ، وفا اور اخلاص کو کچھ میلا ہوتا دیکھ کر آج رات ساڑھے تین بجے کے قریب یہ فرمایا :۔

"سب کو چھوڑو خلیفے کو پکڑو"

ہر کام کے لئے پہلے خیال ہوتا ہے پھر عزم پھر آلاتِ جسم کام کرتے ہیں ۔ یہ اس کا خاص فضل ہے کہ اس نے یہ الفاظ فرما کر بہت سے عرفان سے متمتع کیا اور چونکہ وہ طیّب ہے اور طیّب ہی کو قبول کرتا ہے ۔ اس لئے متنبہ کر دیا کہ سب کچھ ہی چھوڑ دو ۔ ایسے خیالات کی رو بھی کبھی اس رنگ میں نہ آنے دو کہ قادیان میں رہنا کسی رنگ میں بھی ملال کا موجب ہو سکے ۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے ۔ مگر تم اُس حالت میں اس عادت سے حصّہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مُراد یابی اور نامرادی میں اُس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہو گا جس نے مدّت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے ۔"

جماعت احمدیہ میں

"قدرت ثانیہ" کا ظہور ــــ ۲۷ مئی کا تاریخی دن

ــــــــــ محترم ابو فراز صاحب

تاریخ انبیاء سے یہ شہادت ملتی ہے کہ مامورین و مرسلین کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ وہ دنیا میں تنہا آواز دے کر چلے جاویں ، بلکہ خدا تعالیٰ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک تغیّر اور انقلاب پیدا ہو ۔ چونکہ بشری تقاضوں کے مطابق ان کی عمر محدود ہوتی ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے تخم ریزی کا کام لیتا ہے اور اس مشن کو انجام اور تکمیل تک پہنچانے کے لئے ان کے جانشین قائم فرماتا ہے ۔

حضرت اقدس مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ ..... کی آمد کا مقصد دین حق کا احیاء و اشاعت اور ایک عظیم الشان تغیّر لانا تھا ۔ آپ کا یہ دعویٰ مستقبل میں ایک حقیقت بن کر اُبھرا کہ

"میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں ۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے ۔"
(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۶۷)

قدرت ثانیہ کے ظہور کی پیشگوئی :-

سُنّت اللہ کے مطابق حضرت مسیح موعود..... کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کے جانشین ان عظیم مقاصد کو پورا کریں گے جن کے لئے آپ کو بھیجا گیا ۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر نظامِ قدرتِ ثانیہ کی پیشگوئی فرمائی ۔

"خدا تعالیٰ کا کلام مجھے فرماتا ہے کہ .... وہ اس سلسلہ کو پوری ترقی دے گا کچھ میرے ہاتھ سے کچھ میرے بعد ۔ یہ خدا تعالیٰ کی سُنّت ہے اور جب سے اس نے زمین کو پیدا کیا ہمیشہ اس سُنّت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے ..... اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے ۔ لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر ...... ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھلاتا ہے ......

سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ **خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھاتا ہے** تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھائے۔ سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی اس قدیم سُنّت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی ہے (یعنی اپنے قربِ وفات کی خبر) غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لئے **دوسری قدرت** کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ **وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا**۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا **براہین احمدیہ** میں وعدہ ہے۔ اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ **خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا**۔ سو ضرور ہے کہ تم پر **میری جدائی کا دن آئے** تا بعد اس کے وہ دن آئے **جو دائمی وعدہ کا دن ہے**........ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔"

(رسالہ الوصیت۔ رُوحانی خزائن ۲۰ جلد ص۳۰۵)

آپ نے رسالہ الوصیت میں اپنی وفات کے بارہ میں بھی متعدد الہامات کا ذکر فرمایا تھا۔ جس کا اشارہ "قدرتِ ثانیہ" کے ظہور کی پیشگوئی میں فرمایا ہے۔ اس طرح جماعت کی ترقی کو قدرتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی کفالت کا وعدہ دے دیا۔ اور اس نظام کے قیام کا انحصار جہاں خدا کی مخفی تقدیر اور تصرفِ خاص قرار دیا۔ اسے اپنی عنایات و برکات کا موجب بھی بتایا۔

حضرت اقدس..... کا سفرِ لاہور اور مصروفیات:۔ ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۸ء کو آپ لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور قیام کے دوران ۹۔ مئی ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔

"اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْمِلُ کُلَّ حِمْلٍ۔ یعنی کُوچ اور پھر کُوچ۔ اللہ تعالیٰ سارا بوجھ خود اُٹھائے گا۔" (سلسلہ احمدیہ ص۱۷۸)

یہ الہام آپ کی وفات کی طرف صریح اشارہ تھا۔ مگر آپ نہایت استقلال سے اپنے کاموں

میں لگے رہے اور کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کی۔ چنانچہ معمول کے مطابق دعوت حق کا سلسلہ جاری رہا۔
۱۷۔مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور کے رؤساء کو دعوت دی گئی۔ اس دن باوجود بیماری کے آپ نے ایک
لمبی تقریر کی۔ جو حاضرین نے محبت اور شوق سے سنی۔ اس طرح اس طبقہ کو بھی پیغام حق پہنچا دیا
گیا۔ اس تقریر سے پہلی رات آپ کو الہام ہوا۔
"مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار یعنی اس گذرنے والی عمر پر بھروسہ نہ کر"۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۷۹)
اسی موقعہ پر بعض لوگوں کی تحریک پر ایک پبلک لیکچر کی بھی تجویز کی گئی۔ حضرت مسیح موعود.....
نے اس کے لئے "پیغامِ صلح" کا عنوان پسند فرمایا۔ چنانچہ اس کی تصنیف شروع فرما دی۔

آپ کی وفات کے بارہ میں آخری الہام اور وصالِ اکبر:۔ حضرت اقدس........ پیغامِ صلح کی
تصنیف میں مصروف تھے کہ ۲۰۔مئی ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔
"اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ۔ یعنی
کوچ کا وقت آگیا ہے۔ کوچ کا وقت آگیا ہے اور موت قریب ہے"
(سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۱)
یہ الہام نہایت واضح تھا کہ اب مقدر وقت قریب آگیا ہے۔ مگر آپ بدستور پیغامِ صلح لکھنے
میں مصروف رہے۔ ۲۵۔مئی کی شام کو آپ نے اس مضمون کو مکمل کر کے کاتب کے سپرد کر دیا۔
شام کے وقت آپ سیر کو نکلے اور چند میل تفریح کے بعد واپس لوٹے۔ اس وقت آپ کو کوئی خاص
بیماری نہ تھی البتہ مسلسل مضمون لکھنے کی وجہ سے ضعف تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب.....
اس وقت کی جو کیفیت تھی اس بارہ میں لکھتے ہیں:۔
"..... مضمون لکھنے کی وجہ سے کسی قدر ضعف تھا۔ اور غالباً آنے والے حادثہ کے مخفی اثر کے
ماتحت ایک گونہ ربودگی اور انقطاع کی کیفیت طاری تھی"۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۲)
اسی شب ۱۱ بجے کے بعد دوبار آپ کو اسہال آئے۔ دوسری مرتبہ زیادہ ضعف کے آثار
تھے۔ آپ نے جان لیا کہ اب وقتِ مقدر آن پہنچا ہے۔ آپ نے حضرت حکیم مولانا نورالدین
.... اور چند دیگر رفقائے کبار کو بلوایا۔ اس وقت ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ زبان اور گلا خشک
تھے۔ بولنے میں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب..... فرماتے ہیں:۔
"صبح کی نماز کا وقت ہوا تو اس وقت جبکہ خاکسار مؤلف بھی پاس کھڑا تھا۔ نحیف آواز میں
دریافت فرمایا۔ کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ ایک خادم نے عرض کیا۔ ہاں حضور ہوگیا ہے۔ اس
پر آپ نے بستر کے ساتھ دونوں ہاتھ تیمم کے رنگ میں چھو کر لیٹے لیٹے ہی نماز کی

نیت باندھی۔ مگر اسی دوران بے ہوشی کی حالت ہوگئی۔ جب ذرا ہوش آیا تو پھر پوچھا "کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے"۔ عرض کیا گیا ہاں حضور ہو گیا ہے۔ پھر دوبارہ نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی اس کے بعد نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی مگر جب کبھی ہوش آتا تھا۔۔۔۔۔ الفاظ "اللہ میرے پیارے اللہ" سنائی دیتے تھے۔" (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۳)

روایت کے مطابق دس بجے صبح کے قریب آپ کی نزع کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ آخر ساڑھے دس بجے کے قریب حضرت مسیح موعود۔۔۔۔۔ نے دو لمبے لمبے سانس لئے اور آپ کی رُوح اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی۔

جماعت کے ذہن اس اچانک صدمۂ وفات کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے، کیونکہ مختصر مرض کے باعث وفات اچانک واقع ہوئی تھی۔ جب لاہور اور بیرونی مقامات میں اچانک آپ کے وصال کی خبر پہنچی تو اس خبر نے جماعت کو غم سے دیوانہ کر دیا۔ ہر دل غم سے نڈھال اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ وہ پیارا امام محبوب آقا۔ آنکھوں کا نور اور زندگی کا سہارا تھا جو اپنے عشاق سے رخصت ہوگیا۔

۲۷ مئی قدرتِ ثانیہ کا ظہور:۔

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ۳ بجے بعد دوپہر لاہور میں حضرت حکیم مولانا نورالدین۔۔۔۔۔۔۔۔ نے احباب جماعت کے ساتھ جنازہ ادا کیا۔ جنازہ رات کو بذریعہ ریل بٹالہ پہنچا اور ۲۷ مئی صبح کی نماز کے قریب احباب آپ کا جسدِ اطہر کاندھوں پر اٹھائے قادیان پہنچے۔ آپ کا جنازہ اس باغ میں رکھا گیا جو بہشتی مقبرہ کے ساتھ ہے۔ محبوب آقا کے جسدِ اطہر کی زیارت کے بعد حضرت حکیم مولانا نورالدین۔۔۔۔۔ کو قادیان اور بیرونی مقامات سے آئے ہوئے قریباً بارہ سو احمدیوں کی موجودگی میں "قدرتِ ثانیہ" کے "مظہرِ اوّل" کے طور پر منتخب کیا گیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئی۔ بیعت کے اس نظارہ کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد۔۔۔۔۔۔۔ فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔ بیعت کا نظارہ نہایت ایمان پرور تھا۔ اور لوگ اس بیعت کے لئے یوں ٹوٹے پڑتے تھے جس طرح ایک مدت کا پیاسا پانی کو دیکھ کر لپکتا ہے۔ ان کے دل غم وحزن سے چور چور تھے۔ کہ ان کا پیارا آقا اُن سے جُدا ہوگیا ہے۔ مگر دوسری طرف ان کے ماتھے خدا کے آگے شکر کے جذبات کے ساتھ سربسجود تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق انہیں پھر ایک ہاتھ پر جمع کر دیا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود۔۔۔۔۔ کی بتائی ہوئی پیشگوئی پوری ہوئی کہ

"میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے۔ جو خدا کی دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔" (سلسلہ احمدیہ ص۱۸۷)

بیعت کے بعد حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل ..... نے تمام حاضرین کے ساتھ حضرت مسیح موعود .... کی نماز جنازہ اُدا کی۔ اور آپ کے جسدِ مبارک کو بہشتی مقبرہ کے ایک حصّہ میں دفن کیا گیا۔ اور آپ کے مزار مبارک پہ آخری دعا ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ..... کا پہلا خطاب:۔

بیعت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ..... نے ایک نہایت پُرمعارف اور رُوح پرور خطاب فرمایا:۔

"میں اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو ابدی اور ازلی ہمارا خدا ہے۔ ہر ایک نبی جو دنیا میں آتا ہے اس کا ایک کام ہوتا ہے۔ جو کرتا ہے، جب ہو چکتا ہے، خدا تعالیٰ اس کو بُلا لیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی نسبت یہ بات مشہور ہے کہ وہ ابھی بلادِ شام میں نہیں پہنچے تھے کہ رستہ ہی میں فوت ہو گئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کی کنجیوں کا ذکر فرمایا کہ مجھے دی گئی ہیں۔ مگر آپؐ نے وہ کنجیاں (چابیاں) نہ دیکھیں۔ کہ چل دیئے۔ ایسی باتوں میں اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار ہوتے ہیں۔ یہاں بھی بہت سے لوگ تعجب کریں گے۔ کئی پیشگوئیاں کی تھیں وہ ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ میرے خیال میں یہ اللہ کی سُنّت ہے کہ وہ بتدریج کام کرتا ہے اور پھر جسے مخاطب کرتا ہے۔ کبھی اس سے مراد اس کا مثیل بھی ہوتا ہے ....." اس کے بعد فرمایا:۔

"میری پچھلی زندگی پر غور کر لو۔ میں کبھی امام بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم ..... امام الصلوٰۃ بنے تو میں نے بھاری ذمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کیا تھا۔ میں اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا ربّ مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے۔ میں دنیا میں ظاہرداری کا خواہشمند نہیں۔ میں ہرگز ایسی باتوں کا خواہشمند نہیں۔ اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں۔ قادیان بھی اسی لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔ میں نے اس فکر میں کئی دن گذارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہو گی۔ اسی لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔ حضرت صاحب کے اقارب میں اس وقت تین آدمی موجود ہیں (یعنی صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب۔ میر ناصر نواب صاحب..... ۔ نواب محمد علی خانصاحب ..... ۔ ناقل) ..... اس وقت

مردوں۔ بچوں۔ عورتوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ وحدت کے نیچے ہوں۔ اور اس وحدت کے لئے ان بزرگوں میں سے کسی کی بیعت کر لو۔ مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔ مَیں خود ضعیف ہوں۔ بیمار رہتا ہوں۔ پھر طبیعت مناسب نہیں۔ اتنا بڑا کام آسان نہیں..... پس مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن عمائید کا نام لیا ہے۔ ان میں سے کوئی منتخب کر لو۔ مَیں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو تو سُن لو بیعت بِک جانے کا نام ہے۔ ایک دفعہ حضرت نے مجھے اشارۃً فرمایا کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا۔ سو اس کے بعد میری ساری عزت اور میرا سارا خیال انہی سے وابستہ ہو گیا۔ اور مَیں نے کبھی وطن کا خیال ..... تک نہیں کیا۔ پس بیعت کرنا ایک مشکل اَمر ہے۔ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی تمام حریّت اور بلند پروازیوں کو چھوڑ دیتا ہے .....''

آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا :۔

''اب تمہاری طبیعتوں کے رُخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اگر یہ بات تمہیں منظور ہو تو مَیں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔ وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ ان میں خصوصیت سے مَیں قرآن کو سیکھنے اور (زکوٰۃ کے اموال) کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور ان امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات۔ دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشاء کے مطابق کرنا ہوگی۔ اور مَیں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اٹھاتا ہوں جس نے فرمایا۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ۔ یاد رکھو ساری خوبیاں وحدت میں ہیں۔ جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مر چکی ہے''

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد چہارم صـ۱۹۶ تا صـ۱۹۸)

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ..... کی تحریرات رسالہ الوصیت کے مطابق پیشگوئی پوری ہوئی کہ

''تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا ..... مَیں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں۔ میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔'' (الوصیّت)

پس ۲۷۔ مئی ۱۹۰۸ء کو ''قدرتِ ثانیہ'' کا ظہور ہوا۔ جو نہایت ہی مبارک اور دائمی ہے۔

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

احمدیّت کی غرض وغایت

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ احمدیّت کسی سوسائٹی کا نام نہیں ہے جو ایک اصلاحی پروگرام کے ماتحت قائم کی گئی ہو اور نہ ہی وہ دنیا کے نظاموں میں سے ایک نظام ہے جس کا مقصد کسی خاص سکیم کا اجرا ہو بلکہ وہ ایک خالصتہً الٰہی تحریک ہے جو اسی طریق اور اسی منہاج پر قائم کی گئی ہے جس طرح قدیم سے الٰہی سلسلے قائم ہوتے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ جب دنیا کے لوگ اپنے خالق و مالک کو بھلا کر اور اپنی پیدائش کی غرض و غایت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے دُنیا کی باتوں میں منہمک ہو جاتے ہیں اور قربِ الٰہی کی برکات سے محروم ہو کر اس اخلاقی اور روحانی مقام سے نیچے گر جاتے ہیں جس پر خدا انہیں قائم رکھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے کسی پاک بندے کو مبعوث کر کے انہیں پھر اپنی طرف اٹھاتا ہے اور ان کے اخلاق اور ان کے تہذیب و تمدّن کو ایک نئے قالب میں ڈھال کر ایک جدید نظام کی بنیاد قائم کر دیتا ہے۔ یہ اسی قسم کا انقلاب ہونا ہے جس طرح کہ حضرت موسٰےؑ کے وقت میں ہؤا یا جس طرح حضرت مسیح ناصری کے وقت میں ظہور میں آیا یا جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رُونما ہؤا کہ خدا نے ان مقدس نبیوں کے ذریعہ ایک بیج بوکر بالآخر اسی بیج کے نتیجہ میں دُنیا کی کایا پلٹ دی۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت بھی کسی اصلاحی سوسائٹی کے قیام کی صورت میں نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایک وقتی دنیوی نظام کا رنگ رکھتی ہے بلکہ وہ ایک جدید اور مستقل الٰہی نظام کی داغ بیل ہے جس کے لئے یہ مقدّر ہے کہ وہ آہستہ آہستہ سارے نظاموں کو مغلوب کر کے دُنیا کو ایک نئی صورت میں ڈھال دیگا۔

یہ نظام ملکی اور قومی حدود میں مقیّد نہیں (کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اپنے مخدوم نبی کی طرح ساری دنیا کے لئے تھی) بلکہ تمام ملکوں اور سب قوموں اور سارے زمانوں کے لئے وسیع ہے۔ اور جو انقلاب احمدیّت کے پیشِ نظر ہے وہ دو پہلو رکھتا ہے۔ اوّل خدا تعالیٰ کے ساتھ بندوں کے تعلق کو ایک نئی بنیاد پر قائم کر دینا جس میں خدا تعالےٰ کا وجود ایک خیالی فلسفہ نہ ہو بلکہ ایک زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر لے اور انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ سچ مچ پیوند ہو جاوے۔ دوسرے بندوں بندوں کا باہمی تعلق بھی ایک نئے قانون کے ماتحت نیا رنگ اختیار کرے جس میں حقیقی مساوات اور انصاف اور تعاون اور ہمدردی کی رُوح کا قوام ہو۔ یہ تبدیلی اسلامی تعلیم کے ماتحت اور اسی کے مطابق عمل میں آئیگی مگر اس کا اجرا اسی رنگ میں ہو گا جس طرح کہ تمام الٰہی سلسلوں میں ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام اس انقلاب کا خوب نقشہ کھینچتا ہے فرماتے ہیں کہ مَیں نے حالتِ کشف میں دیکھا کہ میرے اندر خدا حلول کر گیا ہے اور میرا کچھ باقی نہیں رہا بلکہ سب کچھ خدا کا ہو گیا ہے اور گویا مَیں خدا بن گیا ہُوں اور پھر میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ:۔

"ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں"[1]

اس کشفی الہام سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی بعثت اپنے اندر ایک نہایت اہم اور نہایت وسیع غرض و غایت رکھتی ہے اور وہ غرض و غایت یہی ہے کہ دنیا کے موجودہ نظام کو توڑ کر اس کی جگہ ایک بالکل نیا نظام قائم کر دیا جاوے۔ اس کشف میں آسمان سے مراد حقوق اللہ ہیں اور زمین سے مراد حقوق العباد ہیں۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ جو انقلاب مقدر ہے وہ لوگوں کے دین اور دُنیا دونوں پر ایک سا اثر انداز ہو گا اور گویا اس جہان کا آسمان بھی بدل جائے گا اور زمین بھی بدل جائیگی۔ اور آسمان اور زمین کے الفاظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ تبدیلی ملکی اور قومی نہیں ہوگی بلکہ جس طرح یہ آسمان اور یہ زمین سارے جہان کے لئے وسیع ہیں اور سب پر حاوی ہیں اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ایک عالمگیر انقلاب پیدا ہو گا جس سے دُنیا کا کوئی ملک اور دُنیا کی کوئی قوم باہر نہیں رہے گی۔ یہ ایک بہت بڑا دعوٰی ہے۔ اور اِس وقت اندھی دنیا ہمارے اس دعوٰی پر ہنستی ہے اور ایک زمانہ تک ہنستی رہیگی مگر مستقبل بتادیگا کہ خدا کے فضل سے یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولیگا۔ اور کوئی نہیں جو اسے روک سکے"[2]

الغرض حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض و غایت اور منتہٰی یہ ہے کہ تجدید اسلام اور اشاعت اسلام کے کام کو اس رنگ میں مکمل کیا جاوے کہ دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو جاوے اور دنیا کے موجودہ نظام کو توڑ کر اور موجودہ تہذیب و تمدّن کے نام و نشان کو مٹا کر صحیح اسلامی نظام اور صحیح اسلامی تہذیب کو قائم کیا جاوے تا کہ یہ دُنیا جو اب مُردہ روحانیت اور گندی تہذیب کی وجہ سے رہنے کے قابل نہیں رہی وہ ایک نئی زمین اور نئے آسمان کے نیچے آکر پھر بہشت کا نمونہ بن جاوے۔ دنیا اس دعوٰے پر بے شک جتنی چاہے ہنسی اڑائے اور اس کے رستہ میں جتنی چاہے روکیں ڈالے مگر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

قضائے آسمان است ایں بہرحالت شود پیدا

یعنی یہ ایک خدائی تقدیر ہے جو ہر حال میں ہو کر رہے گی۔

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۵ و کتاب البریہ صفحہ ۷۹۔

[2] تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵

خلافت کا نظام اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کا عہدِ خلافت

خلافت کا نظام قرآن شریف کی تعلیم اور سلسلہ رسالت کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ دنیا میں کسی رسُول اور نبی کو بھیجتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ایک آدمی دنیا میں آئے اور ایک آواز دیکر واپس چلا جاوے۔ بلکہ ہر نبی اور رسول کے وقت خدا تعالےٰ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک تغیر اور انقلاب پیدا کرے جس کے لئے ظاہری اسباب کے ماتحت ایک لمبے نظام اور مسلسل جدّوجہد کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ ایک آدمی کی عمر بہرحال محدود ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ وہ نبی کے ہاتھ سے صرف تخم ریزی کا کام لیتا ہے اور اس تخم ریزی کو انجام تک پہونچانے کے لئے نبی کی وفات کے بعد اس کی جماعت میں سے قابل اور اہل لوگوں میں یکے بعد دیگرے اس کے جانشین بنا کر اس کے کام کی تکمیل فرماتا ہے۔ یہ جانشین اسلامی اصطلاح میں خلیفہ کہلاتے ہیں کیونکہ خلیفہ کے معنے پیچھے آنے والے اور دوسرے کی جگہ قائم مقام بننے والے کے ہیں۔ یہ سلسلہ خلافت قدیم زمانہ سے ہر نبی کے بعد ہوتا چلا آیا ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشع خلیفہ ہوئے اور حضرت عیسےٰؑ کے بعد پطرس خلیفہ ہوئے اور آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے بلکہ آنحضرت صلعم کے بعد یہ سلسلہ خلافت تمام سابقہ نبیوں کی نسبت زیادہ شان اور زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوُا۔ اس نظامِ خلافت میں نبی کے کام کی تکمیل کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی مدنظر ہوتی ہے کہ تا جو دھکا نبی کی وفات کے وقت نبی کی نئی نئی جماعت کو لگتا ہے جو ایک ہولناک زلزلہ سے کم نہیں ہوتا اس میں جماعت کو سنبھالنے کا انتظام رہے۔ پس ضروری تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں بھی خدا کی یہ قدیم سُنت پوری ہو چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

"خدا کا کلام مجھے فرماتا ہے کہ . . . . . . وہ اس سلسلہ کو پوری ترقی دے گا کچھ میرے ہاتھ سے کچھ میرے بعد۔ یہ خدا تعالےٰ کی سنّت ہے اور جب سے کہ اس نے زمین کو پیدا کیا ہمیشہ اس سنّت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے . . . . اور جس راستبازی کو وہ دُنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے . . . . . ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے . . . . . غرض وہ دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اوّل خود نبی کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا ہوجاتا ہے . . . . . . خدا تعالےٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے اللہ تعالےٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوُا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالےٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا کرکے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا . . . . ایسا ہی حضرت موسےٰؑ کے وقت میں ہوُا . . . . ایسا ہی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے ساتھ معاملہ ہوُا . . . . . . سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنّت اللہ یہی ہے . . . . سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالےٰ اپنی قدیم سنّت کو ترک کر دے۔ مَیں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوُا اور مَیں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اَور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے۔"[1]

خلفاء کے تقرر اور ان کے مقام کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خلافت کا منصب کسی صورت میں بھی ورثہ میں نہیں آسکتا بلکہ یہ ایک مقدّس امانت ہے جو مومنوں کے انتخاب کے ذریعہ جماعت کے قابل ترین شخص کے سپرد کی جاتی ہے۔ اور چونکہ نبی کی جانشینی کا مقام ایک نہایت نازک اور اہم روحانی مقام ہے اس لئے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ گو بظاہر خلیفہ کا انتخاب لوگوں کی رائے سے ہوتا ہے مگر اس معاملہ میں خدا تعالےٰ خود آسمان سے نگرانی فرماتا ہے اور اپنے تصرّفِ خاص سے لوگوں کی رائے کو ایسے رستہ پر ڈال دیتا ہے جو اس کے منشاء کے مطابق ہو۔ اس طرح گو بظاہر خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ عمل میں آتا ہے مگر دراصل اس انتخاب میں خدا کی مخفی تقدیر کام کرتی ہے اور اسی لئے خدا نے خلفاء کے تقرر کو خود اپنی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خلیفہ ہم خود بناتے ہیں۔ یہ ایک نہایت لطیف روحانی انتظام ہے جسے شاید دُنیا کے لوگوں کے لئے سمجھنا مشکل ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ خلیفہ کا تقرر ایک طرف تو مومنوں کے انتخاب سے اور دوسری طرف خدا کی مرضی کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے اور خدائی تقدیر کی مخفی تاریں لوگوں کے دلوں کو پکڑ پکڑ کر منظورِ ایزدی کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔ پھر جب ایک شخص خدائی تقدیر کے ماتحت خلیفہ منتخب ہوجاتا ہے تو اس کے متعلق اسلام کا حکم یہ ہے کہ تمام مومن اس کی پوری پوری اطاعت کریں اور خود اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ تمام اہم اور ضروری امور میں مومنوں کے مشورہ سے کام کرے اور گو وہ مشورہ پر

---

[1] الوصیت صفحہ ۱۴تا۱۶۔ ہم نے اس جگہ اختصار کی غرض سے اس حوالہ کو کاٹ کاٹ کر درج کیا ہے مگر ہم اپنے ناظرین سے درخواست کرینگے کہ وہ الوصیت کے اس لطیف حصّہ کو ضرور مکمل صورت میں مطالعہ کریں۔

عمل کرنے کا پابند نہیں بلکہ اگر مناسب خیال کرے تو مشورہ کو رد کر کے اپنی رائے سے جس طرح چاہے فیصلہ کر سکتا ہے۔ مگر بہر حال اسے مشورہ لینے اور لوگوں کی رائے کا علم حاصل کرنے کا ضرور حکم ہے۔

اسلام میں یہ نظامِ خلافت ایک نہایت عجیب و غریب بلکہ عدیم المثال نظام ہے یہ نظام موجود الوقت سیاسیات کی اصطلاح میں نہ تو پوری طرح جمہوریت کے نظام کے مطابق ہے اور نہ ہی اسے موجودہ زمانہ کی ڈکٹیٹرشپ کے نظام سے تشبیہ دے سکتے ہیں بلکہ یہ نظام ان دونوں کے بَین بَین ایک علیحدہ قسم کا نظام ہے جمہوریت کے نظام سے تو وہ اس لئے جدا ہے کہ جمہوریت میں صدرِ حکومت کا انتخاب میعادی ہوتا ہے مگر اسلام میں خلیفہ کا انتخاب میعادی نہیں بلکہ عمر بھر کے لئے ہوتا ہے۔ دوسرے جمہوریت میں صدر حکومت بہت سی باتوں میں لوگوں کے مشورہ کا پابند ہوتا ہے مگر اسلام میں خلیفہ کو مشورہ لینے کا حکم تو بے شک ہے مگر وہ اس مشورہ پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔ بلکہ مصلحتِ عامہ کے ماتحت اسے رد کر کے دوسرا طریق اختیار کر سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ نظام ڈکٹیٹرشپ سے بھی مختلف ہے کیونکہ اول تو ڈکٹیٹرشپ میں میعادی اور غیر میعادی کا سوال نہیں ہوتا اور دونوں صورتیں ممکن ہوتی ہیں دوسرے ڈکٹیٹر کو عموماً کلّی اختیارات حاصل ہوتے ہیں حتّٰے کہ وہ حسب ضرورت پرانے قانون کو بدل کر نیا قانون جاری کر سکتا ہے مگر نظامِ خلافت میں خلیفہ کے اختیارات بہر صورت شریعت اسلامی اور نبی متبوع کی ہدایات کی قیود کے اندر محدود ہیں۔ اسی طرح ڈکٹیٹر مشورہ لینے کا پابند نہیں مگر خلیفہ کو مشورہ لینے کا حکم ہے۔

الغرض خلافت کا نظام ایک نہایت ہی نادر اور عجیب و غریب نظام ہے جو اپنی روح میں تو جمہوریت کے قریب تر ہے مگر ظاہری صورت میں ڈکٹیٹرشپ سے زیادہ قریب ہے۔ مگر وہ حقیقی فرق جو خلافت کو دُنیا کے جملہ نظاموں سے بالکل جدا اور ممتاز کر دیتا ہے وہ اس کا دینی منصب ہے۔ خلیفہ ایک انتظامی افسر ہی نہیں ہوتا بلکہ نبی کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے اسے ایک روحانی مقام بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ نبی کی جماعت کی روحانی اور دینی تربیت کا نگران ہوتا ہے اور لوگوں کے لئے اُسے عملی نمونہ بننا پڑتا ہے اور اس کی سنّت سند قرار پاتی ہے۔[1] پس منصبِ خلافت کا یہ پہلو نہ صرف اسے دوسرے تمام نظاموں سے ممتاز کر دیتا ہے بلکہ اس قسم کے روحانی نظام میں میعادی تقرر کا سوال ہی نہیں اُٹھ سکتا۔ خلافت کے نظام کے متعلق یہ مختصر اور اصولی نوٹ درج کرنے کے بعد ہم اصل مضمون کی طرف لَوٹتے ہیں۔[2]

جماعت احمدیہ میں پہلے خلیفہ کا انتخاب

یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر تمام جماعت نے متفقہ اور متحدہ طور پر حضرت مولوی نور الدین صاحب بھیروی کو حضرت مسیح موعودؑ کا خلیفہ اور جانشین منتخب کیا تھا۔ یہ ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے۔ یہ تقرر اسلامی طریق پر انتخاب کی صورت میں ہُوا تھا یعنے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر قادیان اور بیرونجات کے جو احمدی جمع تھے اور ان میں جماعت کا چیدہ حصہ شامل تھا انہوں نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کا پہلا خلیفہ منتخب کر کے آپ کے ہاتھ پر اطاعت اور اتحاد کا عہد باندھا۔ اس انتخاب اور اس بیعت میں صدر انجمن احمدیہ کے جملہ ممبران اور حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے جملہ افراد اور تمام حاضر الوقت احمدی اصحاب شریک و شامل تھے اور کسی ایک فرد واحد نے بھی حضرت مولوی صاحب کی خلافت کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے بعد نہ صرف جماعت احمدیہ کا بلکہ صدر انجمن احمدیہ کا بھی پہلا اجماع خلافت کی تائید میں ہُوا۔

حضرت مولوی نور الدین صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے رشتہ داروں میں سے نہیں تھے جماعت کے بزرگ ترین اصحاب میں سے تھے اور اپنے علم و فضل اور تقوٰی و طہارت میں جماعت کے اندر عدیم المثال حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی سب سے اوّل نمبر پر بیعت کی تھی اور حضرت مسیح موعودؑ آپ کو اپنے خاص الخاص دوستوں اور محبّوں میں شمار کرتے تھے اور تمام جماعت احمدیہ میں آپ کا ایک خاص اثر اور رعب تھا حضرت مولوی صاحب دینی علم میں کامل ہونے کے علاوہ علمِ طب اور دیگر علومِ مشرقیہ میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے اور قادیان آنے سے قبل مہاراجہ صاحب جمّوں و کشمیر کے دربار میں بطور شاہی طبیب کام کر چکے تھے۔

حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ پر جماعت احمدیہ نے پہلی بیعت حضرت مسیح موعودؑ کے اس باغ میں کی تھی جو بہشتی مقبرہ کے قریب ہے اور وہیں حضرت مولوی صاحب کی قیادت میں حضرت مسیح موعودؑ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بیعت کے بعد حضرت مولوی صاحب نے ایک نہایت مؤثر اور درد انگیز تقریر فرمائی جس میں حضرت مسیح موعودؑ کے بعد جماعت کو اس کی بھاری ذمہ داریاں یاد دلائیں اور فرمایا کہ ظاہری اسباب میں سے ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے کہ جماعت اپنے اتحاد کو قائم رکھکر اس عظیم الشان کام کو جاری رکھے جسے حضرت مسیح موعودؑ نے شروع کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خلیفہ بننے یا جماعت کو اپنے پیچھے لگانے کی کوئی خواہش نہیں تھی بلکہ مَیں چاہتا تھا کہ کوئی اور شخص اس بوجھ کو اٹھائے مگر اب جبکہ آپ لوگوں نے مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے تو اس انتخاب کو خدا کی مرضی یقین کرتے ہوئے مَیں اس بوجھ کو اٹھاتا ہُوں لیکن یہ ضروری ہوگا کہ آپ لوگ میری پوری پوری اطاعت کریں تاکہ جماعت کے اتحاد میں فرق نہ آئے اور ہم سب ملکر اس کشتی کو آگے چلا سکیں جو خدا نے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ دنیا کے متلاطم سمندر میں ڈوبتے ہوؤں کو بچانے کے لئے ڈالی ہے۔

جماعت پھر ایک جھنڈے کے نیچے

قادیان کی بیعتِ خلافت کے بعد جوں جوں بیرونجات کی جماعتوں اور دوستوں کو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات اور حضرت خلیفہ اول کی بیعت کی اطلاع پہنچی سب نے بلا استثناء اور بلا تامل حضرت خلیفہ اوّل کی اطاعت قبول کی اور ایک نہایت ہی قلیل عرصہ میں جماعت احمدیہ کا ہر متنفس خلافت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ:-

"مَیں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اَور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے"[1]

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

---

[1] ابوداؤد کتاب السنّۃ۔ [2] نظامِ خلافت کے متعلق مفصّل بحث کے لئے خاکسار کی کتاب "سیرۃ خاتم النّبیّین" کا متعلقہ باب ملاحظہ فرمائیں۔

اکرام ضیف

اکرام ضیف یعنی مہمان نوازی ان اخلاق فاضلہ میں سے ہے جو سوسائٹی اور تمدن کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں مہمان نوازی سوسائٹی میں احترام اور امن کا جذبہ پیدا کرتی ہے اس سے عناد اور حسد دور ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اکرام ضیف کے لئے خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے بلکہ اس کو ایمان کے نتائج اور ثمرات میں سے قرار دیا ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک یہ اخلاقی قوت اس میں نشو ونما نہیں پاتی۔ اکرام ضیف میں بہت سی باتیں داخل ہیں یا یہ کہو کہ اس کے مختلف اجزاء ہیں۔ اس کے حقوق کی رعایت کرنا۔ مرحبا کہنا۔ نرمی کرنا۔ اظہار بشاشت کرنا۔ حسب طاقت کھانا وغیرہ کھلانا۔ اور اس کے آرام میں ایثار سے کام لینا اور جب وہ روانہ ہو تو اس کی مشایعت کرنا۔

اکرام ضیف انبیاء علیہم السلام کی سنت میں داخل ہے اور حقیقت میں یہ خلق کامل طور پر ان میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور پھر اس کا کامل ترین نمونہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ان کے پاس بغرض حصول ہدایت آتی ہے اور وہ حق پہنچانے کے لئے اپنے دل میں ایک جوش اور تڑپ رکھتے ہیں اور پھر سنت اللہ کے موافق ان کی مخالفت بھی شدید ہوتی ہے مگر ہر حالت میں وہ اپنے مہمانوں کے آرام اور خاطر مدارات میں کبھی فرق نہیں کرتے اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے مہمانوں کو آرام ملے۔

حضرت مسیح موعود کی خصوصیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ ایک آنے والی مخلوق کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ تیرے پاس دور دراز سے لوگ آئیں گے اور ایسا ہی فرمایا تھا لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ غرض یہاں تو پہلے ہی سے مہمانوں کے بکثرت آنے کی خبر دی گئی تھی۔ اور پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو وسعت اور دل میں حوصلہ پیدا کر رکھا تھا۔ اور مہمان نوازی کے لئے آپ گویا بنائے گئے تھے۔ اب میں آپ کی زندگی کے واقعات میں انشاء اللہ العزیز دکھاؤں گا۔ کہ آپ نے کس طرح پر مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ اور ایک اسوہ حسنہ اکرام ضیف کا چھوڑا۔

اکرام ضیف کی روح آپ میں فطرتاً آئی تھی

حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ نے جس خاندان میں پیدا کیا وہ اپنی عزت و وقار کے لحاظ سے ہی ممتاز نہ تھا بلکہ اپنی مہمان نوازی اور جود و سخا کے لئے بھی مشار الیہ تھا۔ اس خاندان کا دستر خوان ہمیشہ وسیع تھا۔ جس عظیم الشان خاتون کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام جیسا بیٹا جننے کا فخر حاصل ہے وہ خاص طور پر مہمان نوازی کے لئے مشہور تھیں۔ قادیان میں پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ ان کی اس صفت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اور میں نے بلاواسطہ ان سے سنا جنہوں نے اس زمانہ ہی کو نہیں بلکہ اس مائدہ سے حصہ لیا۔ چنانچہ میں حیات احمد جلد اول کے صفحہ ۱۷۴-۱۷۵ پر حضرت مائی چراغ بی بی صاحبہ مرحومہ کا ذکر کر چکا ہوں اور ان کی اس اخلاقی خوبی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"مہمان نوازی کے لئے ان کے دل میں نہایت جوش اور سینہ میں وسعت تھی وہ لوگ جنہوں نے ان کی فیاضیاں اور مہمان نوازیاں دیکھی ہیں ان میں سے بعض اس وقت تک زندہ ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں اگر باہر سے یہ اطلاع ملتی کہ چار آدمیوں کے لئے کھانا مطلوب ہے تو اندر سے جب کھانا جاتا تو وہ آٹھ آدمیوں سے بھی زائد کے لئے بھیجا جاتا اور مہمانوں کے آنے سے انہیں بہت خوشی ہوتی"۔

(حیات احمد جلد اول صفحہ ۱۷۴-۱۷۵)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیر مادر کے ساتھ مہمان نوازی کو پیا تھا۔ جب سے آپ نے آنکھ کھولی اس خوبی کو سیکھا۔ اور پھر جب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ان کو مسیح کیا اور معطر فرمایا تو حالت ہی بدل گئی۔ اور وہ قوتیں جو آپ میں بطور بیج کے تھیں ایک بہت بڑے درخت کی صورت میں نمودار ہوئیں۔

آپ پہلے سے خدا تعالیٰ سے وحی پاکر ان مہمانوں کے استقبال اور اکرام کے لئے تیار تھے جن کے آنے کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا۔

قبل بعثت اور بعد بعثت کی مہمان نوازی

آپ کی مہمان نوازی پر کبھی کسی وقت نے کوئی خاص اثر نہیں پیدا کیا۔ جب آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور نہ ہوئے تھے اس وقت بھی بعض لوگ آپ کے پاس آتے تھے ان کی مہمان نوازی میں بھی آپ کا وہی طریق تھا جو ماموریت کے بعد تھا۔ پہلے جب بہت ہی کم اور کبھی کبھار کوئی شخص آتا تھا اس وقت کوئی خاص التفات نہ تھی کہ خرچ کم ہے بعد میں جب سینکڑوں ہزاروں آنے لگے تو کوئی غیر التفاتی نہیں ہوئی کہ بہت آنے لگے ہیں۔

غرض ہر زمانہ میں آپ کی شان مہمان نوازی یکساں پائی جاتی ہے یعنی کیفیت وہی

رہی۔ مہمانوں کی کثرت نے اس میں ترقی کا رنگ پیدا کیا کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اب میں واقعات کی روشنی میں آپ کے اس خلق عظیم کی تصویر دکھاتا ہوں۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب جب سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں آنے لگے ہیں ان کو ایک خاص مذاق اور شوق رہا ہے کہ وہ اکثر باتیں حضرت کی نوٹ کر لیا کرتے اور دوستوں کو سنایا کرتے۔

انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اخلاق کا ذکر برادرم منشی محمد عبداللہ بوتالوی سے کیا اور منشی محمد عبداللہ صاحب نے مجھے لکھ کر بھیجا جو میں نے ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء کے الحکم میں سیرت المہدی کا ایک ورق کے عنوان سے چھاپ دیا۔ اس میں اکرام ضیف کے عنوان کے نیچے یہ واقعہ درج ہے۔ کہ

"ایک مرتبہ ایک مہمان نے آکر کہا کہ میرے پاس بستر انہیں ہے حضرت صاحب نے حافظ حامد علی صاحب کو (جو ۱۹۱۸ء میں مختصر سی دکان قادیان میں کرتے تھے اور حضرت کے پرانے مخلص خادم تھے اور اب فوت ہو چکے ہیں اللہم ارحمہ) کہا کہ اس کو لحاف دے دو۔ حافظ حامد علی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شخص لحاف لے جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ

"اگر یہ لحاف لے جائے گا تو اس کا گناہ ہوگا اور اگر بغیر لحاف کے سردی سے مر گیا تو ہمارا گناہ ہوگا"۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ وہ مہمان بظاہر کوئی ایسا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا جو کسی دینی غرض کے لئے آیا ہو بلکہ شکل و صورت سے مشتبہ پایا جاتا تھا مگر آپ نے اس کی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس کی آسائش و آرام کو اپنے آرام پر مقدم کیا۔

مہمان نوازی کے لئے ایثار کلی کی تعلیم ایک کہانی کے رنگ میں

وہی صاحب حضرت مفتی صاحب کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہمان کثرت سے آگئے بیوی صاحبہ (حضرت ام المومنین) گھبرائیں (اس زمانہ میں مہمانوں کا کھانا سب اندر تیار ہوتا تھا اور تمام انتظام اور انصرام اندر ہوتا تھا اس لئے گھبرا جانا معمولی بات تھی۔ عرفانی) مجھے (مفتی محمد صادق کو) جو مکان حضرت صاحب نے دے رکھا تھا وہ بالکل نزدیک تھا (یہ وہ مکان ہے جہاں آج کل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رہتے ہیں اس وقت یہ مکان نہایت شکستہ حالت میں تھا۔ بعد میں خاکسار عرفانی نے اسے خرید لیا اور خدا نے اسے توفیق دی کہ اس کا 1/3 حصہ حضرت اقدس کے نام ہبہ کر دے خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے آمین۔ پھر وہ سارا مکان حضرت کے قبضہ میں آگیا۔ عرفانی) میں سنتا رہا۔ حضرت صاحب نے بیوی صاحبہ کو ایک کہانی سنانی شروع کی۔ فرمایا ایک شخص کو جنگل میں رات آگئی اس نے ایک درخت کے نیچے بسیرا کر دیا۔ اس درخت کے اوپر ایک کبوتر اور کبوتری کا گھونسلہ بنا ہوا تھا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے کہ ہمارے ہاں مہمان آیا ہے۔ اس کی کیا خاطر کریں۔ نر نے کہا کہ سردی ہے بستر اس کے پاس نہیں ہم اپنا آشیانہ گرادیں اس سے آگ جلا کر یہ رات گزار لے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے سوچا کہ اب اس کے واسطے کھانا نہیں ہے ہم دونوں اپنے آپ کو نیچے گرادیں تاکہ یہ ہمیں بھی کھالے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس لطیف پیرایہ میں اکرام ضیف کی تاکید فرمائی حضرت ام المومنین کو اللہ تعالیٰ نے خود ایک وسیع حوصلہ دیا ہے اور وہ مہمانوں کی خدمت و دلداری میں جو حصہ لیتی ہیں اس سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جن کی مستورات سالانہ جلسہ پر آتی ہیں۔ شروع شروع میں قادیان میں ضروری اشیاء بھی بڑی دقت سے ملا کرتی تھیں تو مہمانوں کی کثرت بعض اوقات انتظامی دقتیں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ یہ گھبراہٹ بھی انہیں دقتوں کے رنگ میں تھی۔ یہ واقعہ حضرت صاحب کی مہمان نوازی کا ہی بہترین سبق نہیں بلکہ مہمانوں کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کی محبت اور ایثار جو آپ میں تھا اور جو آپ اپنے گھر والوں کے دل میں پیدا کرنا چاہتے تھے اس کی بھی نظیر ہے پھر آپ کے حسن معاشرت پر بھی معا روشنی ڈالتا ہے۔ کہ کس رفق اور اخلاق کے ساتھ ایسے موقعہ پر کہ انسان گھبرا جاتا ہے اصل مقصد کو زیر نظر رکھتے ہیں۔ (عرفانی)

ڈاکٹر عبداللہ صاحب نو مسلم کا واقعہ

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے نیاز حاصل کرنے کے لئے لاہور سے دو دن کی رخصت لے کر آیا۔ (ڈاکٹر صاحب لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے شفاخانہ میں کام کرتے تھے ایڈیٹر) رات کی گاڑی پر بٹالہ اترا اس لئے رات کو وہیں رہا۔ اور صبح سویرے اٹھ کر قادیان کو روانہ ہو گیا۔ اور ابھی سورج تھوڑا ہی نکلا تھا کہ یہاں پہنچ گیا۔ میں پرانے بازار کی طرف سے آ رہا تھا جب میں مسجد اقصیٰ کے قریب جو بڑی حویلی (ڈپٹی شنکر داس کی حویلی) ہے وہاں پہنچا تو میں نے اس جگہ (جہاں اب صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا مکان ہے اور اس وقت یہ جگہ سپید ہی تھی) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک مزدور کے پاس جو کہ اینٹیں اٹھا رہا تھا کھڑے ہوئے دیکھا حضرت صاحب نے بھی مجھے دیکھ لیا آپ مجھے دیکھتے ہی مزدور کے پاس سے آ کر راستہ پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے قریب پہنچ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا آپ نے وعلیکم السلام فرمایا اور فرمایا کہ اس وقت کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں رات بٹالہ رہا ہوں اور اب حضور کی خدمت میں وہاں سے سویرے چل کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پیدل آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور۔ افسوس کے لہجے میں فرمایا کہ تمہیں تو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا اچھا بتاؤ چائے پیو گے یا لسی میں نے عرض کیا کہ حضور کچھ بھی نہیں پیئوں گا۔ آپ نے فرمایا تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے گھر گائے ہے جو کہ تھوڑا سا دودھ دیتی ہے گھر والے چونکہ دہلی گئے ہوئے ہیں اس لئے اس وقت لسی بھی موجود ہے اور چائے بھی جو چاہو پی لو۔ میں نے کہا حضور لسی پیئوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا چلو مسجد مبارک میں بیٹھو۔ میں مسجد میں آ کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد بیت الفکر کا دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ایک کوری ہانڈی معہ کوری چپنی

کے جس میں لسی تھی خود اٹھائے ہوئے دروازہ سے نکلے چینی پر نمک تھا اور اس کے اوپر ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ حضور نے وہ ہانڈی میرے سامنے لا کر رکھ دی اور خود اپنے دست مبارک سے گلاس میں لسی ڈالنے لگے میں نے خود گلاس پکڑ لیا۔ اتنے میں چند اور دوست بھی آگئے میں نے انہیں بھی لسی پلائی اور خود بھی پی۔ پھر حضور خود وہ ہانڈی اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے۔ حضور کی اس شفقت اور نوازش کو دیکھ کر میرے ایمان کو بہت ہی ترقی ہوئی اور یہ حضور کے اخلاق کریمانہ کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب اس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں اور یہ خود ان کا اپنا بیان ہے۔ سادگی کے ساتھ اس واقعہ پر غور کرو کہ حضرت مسیح موعود کے کیریکٹر (سیرت) کے بہت سے پہلوؤں پر اس سے روشنی پڑتی ہے آپ کی سادگی اور بے تکلفی کی ایک شان اس سے نمایاں ہے اکرام ضیف کا پہلو واضح ہے۔ اپنے احباب پر کسی بھی قسم کی برتری حکومت آپ کے قلب میں پائی نہیں جاتی اور سب سے بڑھ کر جو پہلو اس مختصر سے واقعہ میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے دوستوں جو آپ کے خادم کہلانے میں اپنی عزت و فخر یقین کرتے اور آپ کی کفش برداری اپنی سعادت سمجھتے ہیں کی تکلیف کا احساس ازبس ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے پیدل چل کر آنے پر فوراً آپ کے قلب مطہر کو اس تکلیف کا احساس ہوا عام طور پر ایک ایسے شخص کو جو پیدل چلنے کا عادی نہ ہو دس گیارہ میل کا سفر کرنے سے ہو سکتی ہے۔ غرض یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔

مولوی علی احمد بھاگلپوری کا واقعہ

مولوی علی احمد صاحب ایم۔ اے بھاگلپوری بیان کرتے ہیں کہ میں جب پہلی مرتبہ دارالامان میں فروری ۱۹۰۸ء کو آیا۔ جب حضرت اقدس علیہ التحیۃ والسلام کا وجود باجود ہم میں موجود تھا۔ یوں تو حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ علاوہ خلیل اللہ جیسی مہمان نوازی کے حضور کو اپنے ان خدام کے وابستگان کا جن کو اس دار فانی سے رحلت کئے ایک عرصہ گزر گیا تھا کتنا خیال تھا اور ان کی کیسی دلجوئی حضور فرماتے تھے۔ میں جس دن یہاں پہنچا تو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ اسلام متعینہ نائیجیریا نے حضور کو ایک رقعہ کے ذریعہ مجھ جیسے ہیچمیرز آدمی کے آنے کی اطلاع کی اور اس میں اس تعلق کو بھی بیان کیا جو مجھے حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ اسلام رضی اللہ عنہ سے تھا جن کی وفات فروری ۱۸۹۶ء میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضور نے مہمان خانہ کے مہتمموں کو بلا کر سخت تاکید میری راحت رسانی کی فرمائی۔ وہ بیچارے کچھ ایسے پریشان سے ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر کہ میں یہاں آرام اٹھانے اور مہمانداری کرانے کے لئے نہیں آیا ہوں میں اس مقصد کے حصول کی کوشش میں آیا ہوں جس کو لیکر حضور مبعوث ہوئے ہیں ان کو مطمئن کیا۔

دینی خدمت کر کے اپنا حق جتلانا گستاخی ہے

(حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ قویٰ دیئے۔ دولت، علم، عقل و ہمت دی اس کے بعد کہتا ہے کہ ان میں سے کچھ ہمارے راستہ میں خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا کہ پہلے تم کوئی کام کرو۔ تو پھر میں تمہیں یہ چیزیں دوں گا۔ کیونکہ ہر ایک چیز اس کی محتاج ہے۔ جب ہر چیز محتاج ہوئی تو جب تک وہ چیزیں نہ دے اس وقت تک کوئی کام کس طرح کر سکتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ پہلے دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اس طرح کرو۔ پس جب خدا تعالیٰ کچھ کرنے سے پہلے ہی دے دیتا ہے تو پھر یہ کہنا کہ ہمارا حق نہیں ملا۔ یا ہماری خدمات کا لحاظ نہیں کیا گیا حد درجہ کی نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ ہم ایک مزدور کو بٹالہ بھیجیں اور آٹھ یا بارہ آنہ مزدوری اسے پہلے دے دیں لیکن وہ واپس آکر کہے کہ مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ یہ اس کی جہالت نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ پہلے دیتا ہے اور بعد میں کام لیتا ہے۔ ایسی صورت میں دینی خدمت کر کے اپنا حق جتلانا گستاخی ہے، پس ایسے لوگ جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لئے کام کرتے ہیں اور ہماری طاقت ہی کیا ہے کہ کوئی دینی کام کر سکیں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے فضل سے ہی ہوتا ہے۔ مگر اس وقت جبکہ ان کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر دیا جائے یا ان کی نسبت کسی دوسرے کو کچھ زیادہ مل جائے تو وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جو کوئی کام کر کے خدا تعالیٰ پر احسان جتلاتے ہیں۔ اور یہ مرض جو ان کے سینہ کے کسی کونہ میں مخفی ہوتا ہے۔ باہر نکل آتا ہے۔ اس لئے سب دوستوں کو چاہئے کہ اپنے نفسوں کا خاص طور پر مطالعہ کریں اور اس مرض کو بالکل نکال دیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو ذرا سی بات پر کہہ دیتے ہیں کہ ہماری حق تلفی ہوتی ہے میں کہتا ہوں جب دین کے لئے اور خدا تعالیٰ کے لئے کام کرتے ہیں تو حق تلفی کے کیا معنی۔

(از خطبہ 30 مارچ 1917ء)

مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر مہتمم اشاعت

جامع اخلاق

آج کی اس محفل میں ہم نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اعلیٰ و ارفع اخلاق سے بھرپور گلدستہ سیرت میں سے چند سدا بہار اور خوشبودار پھول چنے ہیں۔ آیئے آپ بھی ان کی بھینی بھینی خوشبو سے اپنے آپ کو معطر کریں۔

یہی بڑا اعلیٰ وظیفہ ہے

حافظ نور محمد صاحب نے بیان کیا کہ "حافظ نبی بخش صاحب نے حضرت صاحب سے ہنس کر عرض کیا کہ یہ (یعنی خاکسار نور محمد) بہت وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ میں تو وظیفہ نہیں کرتا صرف کلام الٰہی ہی پڑھتا ہوں۔ آپ مسکرا کر فرمانے لگے کہ تمہاری تو یہ مثال ہے کہ کسی شخص نے کسی کو کہا کہ یہ شخص بہت عمدہ کھانا کھایا کرتا ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ میں تو کوئی اعلیٰ کھانا نہیں کھاتا صرف پلاؤ کھایا کرتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کلام الٰہی سے بڑھ کر اور کونسا وظیفہ ہے۔ یہی بڑا اعلیٰ وظیفہ ہے۔"

میں نے ہمیشہ حضرت صاحب کو کلام الٰہی پڑھتے دیکھا ہے

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی نے بیان کیا کہ

" ولی اللہ شاہ صاحب جو ہمارے قریبی رشتہ دار تھے اور کپور تھلہ میں سیشن جج تھے۔ ان کے ایک ماموں منشی عبدالواحد صاحب ایک زمانہ میں بٹالہ میں تحصیلدار ہوتے تھے۔ منشی عبدالواحد صاحب کو اکثر اوقات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب قادیان لے کر جایا کرتے تھے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حضرت صاحب کی عمر چودہ پندرہ سال کی ہوگی۔ اس عمر میں حضرت صاحب سارا دن کلام الٰہی پڑھتے رہتے اور حاشیہ پر نوٹ لکھتے رہتے تھے اور مرزا غلام مرتضیٰ صاحب حضرت صاحب کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا کسی سے غرض نہیں رکھتا۔ سارا دن (خانہ خدا) میں رہتا ہے اور کلام الٰہی پڑھتا رہتا ہے۔ منشی عبدالواحد صاحب قادیان بہت دفعہ آتے جاتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ہمیشہ حضرت صاحب کو کلام الٰہی پڑھتے دیکھا ہے۔"

("شمائل" طبع اول صفحہ 23)

یا اللہ تیرا کلام ہے

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے بیان کیا کہ

"حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ جب وہ اپنے کمرے یا حجرے میں بیٹھتے تو دروازہ بند کر لیا کرتے تھے۔ یہی طرز عمل آپ کا سیالکوٹ میں تھا۔ لوگوں سے ملتے نہیں تھے۔ جب کچہری سے فارغ ہو کر آتے تو دروازہ بند کر کے اپنے شغل اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ عام طور پر انسان کی عادت متجسس واقع ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کو یہ ٹوہ لگی کہ یہ دروازہ بند کر کے کیا کرتے ہیں۔ ایک دن ان ٹوہ لگانے والوں کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اس مخفی کارروائی کا سراغ مل گیا اور وہ یہ تھا کہ آپ مصلّٰی پر بیٹھے ہوئے کلام الٰہی ہاتھ میں لئے دعا کر رہے ہیں یا اللہ تیرا کلام ہے۔ مجھے تو تو ہی سمجھائے گا تو میں سمجھ سکتا ہوں۔"

کسی کو تُو نہ کہنا

حضرت صاحب نبی بخش صاحب ساکن فیض اللہ چک نے بیان کیا کہ:-

"حضرت صاحب کی عادت میں داخل تھا کہ خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا کسی کو "تو" کے لفظ سے خطاب نہ کرتے تھے۔ حالانکہ میں چھوٹا بچہ تھا مجھے کبھی حضرت صاحب نے "تو" سے مخاطب نہ کیا تھا۔"

مہمان نوازی کا حق

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے بیان کیا کہ ایک شب کا ذکر ہے کہ کچھ مہمان آئے جن کے واسطے جگہ کے انتظام کے لئے حضرت اماں جان حیران ہو رہی تھی کہ ان کو کہاں ٹھہرایا جائے اس وقت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اکرام ضیف کا ذکر کرتے ہوئے پرندوں کا ایک قصہ سنایا...... اور فرمایا:-

"دیکھو ایک دفعہ جنگل میں ایک مسافر کو شام ہو گئی۔ رات اندھیری تھی۔ قریب کوئی بستی اسے دکھائی نہ دی اور وہ ناچار ایک درخت کے نیچے رات گزارنے کے واسطے بیٹھ رہا۔ اس درخت کے اوپر ایک پرندہ کا آشیانہ تھا۔ پرندہ اپنی مادہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا کہ دیکھو یہ مسافر جو ہمارے آشیانہ کے نیچے زمین پر آ بیٹھا ہے یہ آج رات ہمارا مہمان ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں۔ مادہ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا اور ہر دو نے مشورہ کر کے یہ قرار دیا کہ ٹھنڈی رات ہے اور اس ہمارے مہمان کو آگ تاپنے کی ضرورت ہے اور تو کچھ ہمارے پاس نہیں۔ ہم اپنا آشیانہ ہی توڑ کر نیچے پھینک دیں۔ تاکہ وہ ان لکڑیوں کو جلا کر آگ تاپ لے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور سارا آشیانہ تنکا تنکا کر کے نیچے پھینک دیا اس کو مسافر نے غنیمت جانا اور ان سب لکڑیوں اور تنکوں کو جمع کر کے آگ جلائی اور تاپنے لگا تب درخت پر اس پرندوں کے جوڑے نے پھر مشورہ کیا کہ آگ تو ہم نے اپنے مہمان کو بہم پہنچائی اور اس کے واسطے آگ کا سامان مہیا کیا۔ اب ہمیں چاہئے کہ اسے کچھ کھانے کو بھی دیں اور تو ہمارے پاس کچھ نہیں ہم خود ہی اس آگ میں جا گریں۔ اور مسافر ہمیں بھون کر ہمارا گوشت کھا لے۔ چنانچہ ان پرندوں نے ایسا ہی کیا اور مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔" (ذکر حبیب صفحہ 86)

لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دے دیا

حضرت قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور عبدالرحیم خان صاحب (بیت) مبارک میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت صاحب کے گھر سے آیا تھا۔ ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی۔ میں نے کھانا ترک کر دیا اس پر حضرت صاحب کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اٹھا کر واپس لے گئی۔ حضرت صاحب اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ نے حضرت صاحب سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت صاحب نے فوراً اپنے

سامنے کا کھانا اٹھا کر اس خادمہ کے حوالہ کر دیا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس وہ کھانا لائی اور کہا لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دے دیا ہے۔"

یہاں تک کہ جانوروں کے لئے بھی رحمت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب متوطن کشمیر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کتا گھر میں گھس آیا اور ہم نے اسے دروازے بند کر کے مارنا چاہا۔ لیکن جب کتے نے شور مچایا تو حضرت صاحب کو بھی پتہ لگ گیا اور آپ ہم پر ناراض ہوئے۔ چنانچہ ہم نے دروازے کھول کر کتے کو چھوڑ دیا۔"

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب سے کسی بچہ نے پوچھا کہ کیا طوطا حلال ہے مطلب یہ تھا کہ ہم طوطا کھانے کے لئے مار لیا کریں۔ حضرت صاحب نے فرمایا میاں حلال تو ہے مگر کیا سب جانور کھانے کے لئے ہی ہوتے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ خدا نے سب جانور صرف کھانے ہی کے لئے پیدا نہیں کئے۔ بلکہ بعض دیکھنے کے لئے اور دنیا کی زینت اور خوبصورتی کے لئے بھی پیدا کئے ہیں۔

دلداری سید محمد علی شاہ صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میرے ایک شاگرد نے مجھے شیشم کی ایک چھڑی بطور تحفہ دی۔ میں نے خیال کیا کہ میں اس چھڑی کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کروں گا۔ چنانچہ خاکسار نے قادیان پہنچ کر بوقت صبح جب کہ حضرت صاحب سیر سے واپس تشریف لائے وہ چھڑی پیش کر دی۔ حضرت صاحب کے دست مبارک کی چھڑی میری پیش کردہ چھڑی سے بدرجہا خوبصورت و نفیس تھی۔ لہٰذا مجھے اپنی کوتاہ خیالی سے یہ خیال گزرا کہ شاید میری چھڑی قبولیت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ مگر حضرت صاحب نے بکمال شفقت اسے قبول فرما کر دعا کی۔ بعد ازاں تین چار روز تک میری چھڑی کو لے کر سیر کو تشریف لے جاتے تھے جسے دیکھ کر میرے دل کو تسکین و اطمینان حاصل ہوا۔

وہ بھی کیا برکت ہے؟ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا کہ

"حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی کے آخری زمانہ میں اکثر احباب آپ کے لئے نیا کرتہ بنوا لاتے۔ اور اسے بطور نذر پیش کر کے تبرک کے طور پر حضرت صاحب کا اترا ہوا کرتہ مانگ لیتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی نے میرے ہاتھ ایک نیا کرتہ بھجوا کر پرانے اترے ہوئے کرتے کی درخواست کی۔ گھر میں تلاش سے معلوم ہوا کہ اس وقت کوئی اترا ہوا بے دھلا کرتہ نہیں۔ جس پر آپ نے اپنا مستعمل کرتہ دھوبی کے ہاں کا دھلا ہوا دیئے جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو دھوبی کے ہاں کا دھلا ہوا کرتہ ہے۔ اور وہ شخص تبرک کے طور پر میلا کرتہ لے جانا چاہتا ہے۔ حضرت صاحب نے ہنس کر فرمانے لگے۔ کہ وہ بھی کیا برکت ہے جو دھوبی کے ہاں سے دھلنے سے جاتی رہے۔ چنانچہ وہ کرتہ اس شخص کو دے دیا گیا۔"

آرام طلبی سے نفرت حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی نے بیان فرمایا:۔

"باوجود اس کے کہ آپ (حضرت بانی سلسلہ) دنیا سے متنفر تھے۔ مگر آپ سست ہر گز نہ تھے۔ بلکہ نہایت محنت کش تھے اور خلوت کے دلدادہ ہونے کے باوجود مشقت سے نہ گھبراتے تھے۔ اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ آپ کو جب کبھی سفر پر جانا پڑتا تو سواری کا گھوڑا نوکر کے ہاتھ آگے روانہ کر دیتے اور آپ پیادہ ہی سفر کرتے تھے۔ اور سواری پر کم چڑھتے تھے یہ عادت پیادہ چلنے کی آپ کو آخر عمر تک تھی۔ اور ستر سال سے تجاوز میں جب کہ بعض سخت بیماریاں آپ کو لاحق تھیں۔ اکثر روزانہ ہوا خوری کے لئے جاتے تھے اور چار پانچ میل روزانہ پھر آتے۔ اور بعض اوقات سات میل پھر لیتے تھے اور بڑھاپے سے پہلے کا حال آپ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات صبح کی عبادت سے پہلے اٹھ کر عبادت کا وقت سورج نکلنے سے سوا گھنٹہ پہلے ہوتا ہے) سیر کے لئے چل پڑتے تھے۔ اور وڈالہ تک پہنچ کر جو بٹالہ کی سڑک پر قادیان سے قریباً ساڑھے پانچ میل پر ایک گاؤں ہے۔ صبح کی عبادت کا وقت ہوتا تھا۔"

(رسالہ ریویو اردو بابت ماہ نومبر 1916ء صفحہ 403)

خادموں سے شفقت حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بیان کیا کہ:۔

ایک دن دوپہر کے وقت ہم (بیت) مبارک میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ کسی نے اس کھڑکی کو کھٹکھٹایا جو کوٹھڑی سے (بیت) مبارک میں کھلتی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تشریف لائے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک طشتری ہے جس میں ایک ران بھنے ہوئے گوشت کی ہے۔ وہ حضرت صاحب نے مجھے دی اور خود واپس اندر تشریف لے گئے اور ہم سب نے بہت خوشی سے اسے کھایا اور اس شفقت و محبت کا اثر اب تک میرے دل میں ہے۔ اور جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں میرا دل خوشی اور فخر کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔"

("شمائل" طبع اول صفحہ 64'65)

ان کا آواز کیسا اچھا تھا! میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل نے بیان کیا:۔

"ایک دن حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ (بیت) مبارک کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے۔ حضرت صاحب نے مہمانوں کے لئے پرچ پیالیاں منگوائی ہوئی تھیں۔ میر مہدی حسین صاحب سے وہ گر گئیں اور چکنا چور ہو گئیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ آواز آئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر مہدی حسین صاحب سے پرچیں ٹوٹ گئیں۔ فرمایا "میر صاحب کو بلاؤ"۔ میر مہدی حسین صاحب ڈرتے ہوئے سامنے آئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ میر صاحب کیا ہوا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ (پیارے آقا) ٹھوکر لگنے سے پیالیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اس پر فرمایا کہ دیکھو جب یہ گریں تھیں تو ان کا آواز کیسا اچھا تھا۔"

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

حضرت مولانا

غلام رسول راجیکی رضی اللہ عنہ کے تبلیغی واقعات

مکرم فضل الٰہی انوری، سابق مبلغ جرمنی

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۹۱ء میں ارشاد فرمایا ہے کہ داعیان الی اللہ کے لئے ایسے منتخب قسم کے ایمان افروز واقعات ملکی رسائل میں شائع ہوتے رہنے چاہئیں جو انہیں روح کی تازگی اور شادابی کا سامان مہیا کرنے کے علاوہ ان کے علم میں اضافہ کا موجب بھی ہوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلی قسط کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ کی خودنوشت سوانح حیات "حیات قدسی" حصہ اوّل میں سے تین واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔
پہلے واقعہ میں آپؓ نے اپنی قبول احمدیت سے قبل کی ایک رؤیا بیان فرمائی ہے جس سے اس امر پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہندوستان میں ظہور ایک ایسی تقدیر الٰہی تھی جو پہلے سے مقدر ہو چکی تھی۔ نیز اس سے اُس حدیث کی بھی خوب تشریح ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیحؑ کے کاموں میں سے ایک کام یقتل الخنزیر (یعنی وہ خنزیروں کو قتل کرے گا) بتایا۔ فھوھذا:

لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں شمولیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت راشدہ سے قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گاؤں موضع راجیکی میں اپنے گھر سے باہر نکلا ہوں اور اس کوچہ میں جو ہمارے گھر سے مغرب کی جانب شمالاً جنوباً چلا گیا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ مسمیان اللہ جوایا اور نظام الدین بافندوں کی کھڈیوں کے پاس لوگ بڑی کثرت سے جمع ہیں میں نے اس وقت سامنے سے آنے والے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے تو اس نے بتایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے میں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلعم بھی اس لشکر میں موجود ہیں تو اس نے کہا کہ ہاں حضورؐ بھی موجود ہیں یہ سنتے ہی میں نے اپنی جوتیاں وہیں پھینکیں اور بھاگتے ہوئے آنحضورؐ کے لشکر میں جا ملا۔ وہاں دیکھا تو مشرقی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شاہانہ ٹھاٹھ سے ایک ہاتھی کی عماری پر جلوہ فرما ہیں۔ اور اس لشکر میں جس کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بھرتی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے گاؤں کے لوگوں میں سے اس وقت میں ہی حضور اقدسؐ کی خدمت عالیہ میں آگے بڑھا اور تسلیمات عرض کرنے کے بعد اس لشکر میں بھرتی ہو گیا اس کے بعد ہم تمام فوجیوں کو برچھیاں دی گئیں اور حکم ملا کہ تم نے خنزیروں کو قتل کرنا ہے ازاں بعد اچانک نظارہ بدلا اور ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ہمارے چاروں طرف بڑے بڑے خنزیر ہیں جنہیں ہم نے قتل کرنا شروع کر دیا ہے اور جو خنزیر کسی سے قتل نہیں ہوتا میں برچھی کے ایک وار سے اُسے وہیں ڈھیر کر دیتا ہوں اس رویائے صادقہ کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تبلیغ ہدایت کا موقع عطا فرمایا اور اس مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل جس کی علامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقتل الخنزیر ویکسر الصلیب قرار دی ہے مجھے ہزاروں مرتبہ ایسے خنزیر صفت لوگوں کے مقابلہ میں اپنے فضل سے نمایاں فتح نصیب فرمائی ہے۔ اس رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہندوستان پر چڑھائی کرنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضورؐ کی بعثت ثانیہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ہندوستان کا ملک ہی مقدر رہے۔

❋

اعجاز احمدیت

فیضان ایزدی نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت راشدہ کے طفیل اور تبلیغ احمدیت کی برکت سے میرے اندر ایک ایسی روحانی کیفیت پیدا کر دی تھی کہ بعض اوقات جو کلمہ بھی میں منہ سے نکالتا تھا اور مریضوں اور حاجتمندوں کے لئے دعا کرتا تھا مولیٰ کریم اسی وقت میرے معروضات کو شرف قبولیت بخش کر لوگوں کی مشکل کشائی فرما دیتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب میں موضع سعد اللہ پور گیا تو میں نے چوہدری اللہ داد صاحب کو جو چوہدری عبداللہ خان نمبردار کے برادرزادہ تھے اور ابھی احمدیت سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ مسجد کی ایک دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ بے طرح دمہ کے شدید دورے میں مبتلا تھے اور سخت تکلیف کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے پچیس سال سے پرانا دمہ ہے جس کی وجہ سے زندگی دوبھر ہو گئی ہے۔ میں نے علاج معالجہ کی نسبت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ دور دور کے قابل طبیبوں اور ڈاکٹروں سے علاج کروا چکا ہوں مگر انہوں نے اس بیماری کو موروثی اور مزمن ہونے کی وجہ سے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ اس لئے میں اب اس کے علاج سے مایوس ہو چکا ہوں۔

میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی بیماری کو لکل داءٍ دواءٌ کے فرمان سے لاعلاج قرار نہیں دیا۔ آپ اسے لاعلاج سمجھ کر مایوس کیوں ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اب مایوسی کے سوا اور کیا چارہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا خدا تو فعال لما یرید ہے اور اُس نے فرمایا ہے کہ

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

یعنی یاس اور کفر تو اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن ایمان اور یاس اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے آپ ناامید نہ ہوں اور ابھی پیالہ میں تھوڑا سا پانی منگائیں میں آپ کو دم کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت انہوں نے پانی منگایا اور میں نے خدا تعالےٰ کی صفت شافی سے استفادہ کرتے ہوئے اتنی توجہ سے اس پانی پر دم کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی اس صفت کے فیوض سورج کی کرنوں کی طرح اس پانی میں برستے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ پانی افضال ایزدی اور حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی برکت سے مجسم شفا بن چکا ہے۔ چنانچہ جب میں نے یہ پانی چوہدری اللہ داد کو پلایا تو آن کی آن دمہ کا دورہ رُک گیا اور پھر اس کے بعد کبھی اُنہیں یہ عارضہ نہیں ہوا حالانکہ اس واقعہ کے بعد چوہدری اللہ داد تقریباً پندرہ سولہ سال تک زندہ رہے۔ اس قسم کے نشانات سے اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب موصوف کو احمدیت نصیب فرمائی اور آپ خدا کے فضل سے مخلص اور مبلغ احمدی بن گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

※

اعجاز نماء واقعہ صداقت (قم باذن اللہ)

اسی زمانہ میں جبکہ میں اپنے گاؤں اور علاقہ کے لوگوں کو احمدیت کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ بعض بڑی عمر کے بوڑھے مجھے کہا کرتے تھے کہ تم تو بچے ہو اگر مرزا صاحب کے دعویٰ میں کوئی صداقت ہوتی تو آپ کے تایا حضرت میاں علم الدین صاحب جو اس زمانہ کے غوث اور قطب ہیں اور چالیس سیپارے قرآن مجید کے ہر روز پڑھتے ہیں اور صاحب مکاشفات ہونے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضوری بھی ہیں وہ نہ مرزا صاحب کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے۔ میں انہیں اس قسم کے عذرات لنگ پر بہتیرا سمجھاتا مگر وہ ایک وقت تک یہی رٹ لگاتے رہے۔ آخر میں نے انہیں کہا کہ بتاؤ اگر حضرت میاں صاحب میرے سید و مولا حضرت مسیح قادیانی علیہ السلام کو نبی اور امام مہدی تسلیم کر لیں تو کیا تم لوگ ان پر بدگمانی کرتے ہوئے حضور اقدس علیہ السلام کی بیعت سے انحراف تو نہیں کرو گے۔ اس وقت ان لوگوں میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت میاں صاحب مرزا صاحب پر ایمان لے آئیں اور ہمارا سارا علاقہ اُن کے پیچھے ایمان نہ لائے۔ احمدیت کے متعلق ان کی یہ آمادگی دیکھ کر میں نے حضرت تایا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ حضور اقدس علیہ السلام کی صداقت کے متعلق دعا کریں اور استخارہ بھی فرمائیں چنانچہ آپ نے میری درخواست پر استخارہ شروع کر دیا اور میں نے آپ کے لئے دعا شروع کر دی۔ مجھے دعا کرتے ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے گاؤں سے شمال کی جانب بہت سے لوگوں کا ہجوم ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چارپائی پر حضرت میاں علم الدین صاحب کی لاش پڑی ہوئی ہے اور لوگ اس کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں ان لوگوں نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ ہمیشہ مرزا صاحب کے متعلق کہتے رہتے ہیں کہ وہ امام مہدی اور مسیح موعود ہیں اگر واقعی وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ کوئی نشان دکھائیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیسا نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میّت جو ہمارے سامنے پڑی ہے اسے آپ زندہ کر دیں۔ چنانچہ میں نے اسی وقت لاش کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت جلال سے کہا:۔

قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ ناقل)

میرا یہ کہنا تھا کہ حضرت میاں صاحب زندہ ہو کر بیٹھ گئے اور مجھے دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔

جب میں بیدار ہوا تو مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت میاں صاحب کو خدا تعالیٰ ضرور حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت نصیب کرے گا اور ایک نئی زندگی مرحمت فرمائے گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک دن مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں کو تبلیغ کر رہا تھا اور وہ اپنے سابقہ دستور کے مطابق حضرت میاں صاحب ممدوح کی آڑ لے رہے تھے کہ اچانک آپ میری تلاش میں اِدھر آنکلے اور دریافت فرمایا کہ میاں غلام رسول یہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں حاضر ہوں ارشاد فرمائیے۔ فرمانے لگے۔

"مجھے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اس بات کا نہایت صفائی کے ساتھ علم دیا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کے سچے مامور اور امام مہدی اور مسیح موعود ہیں۔ اور آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ میں ان پر ایمان لے آیا ہوں"۔

پھر آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میری بیعت کا خط حضرت صاحب کی خدمت میں لکھ دیں۔ حضرت میاں صاحب کے ارشاد گرامی کے بعد جب میں نے لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہاری کیا مرضی ہے۔ تو اسی وقت بعض بدبختوں نے کہا کہ شیطان نے بلعم باعور ایسے ولی کا ایمان چھین لیا تھا۔ حضرت میاں علم الدین صاحب کس شمار میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے حضرت میاں صاحب موصوف کی بیعت کا خط لکھ دیا اور وہ بزرگ جو لوگوں کے زعم میں اپنے زمانہ کا غوث تھا حضور اقدس علیہ السلام کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے والد بزرگوار کے چھوٹے بھائی حضرت حافظ نظام الدین صاحب بھی احمدی ہو گئے۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے قادیان بھی تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

مولیٰ کی محبت بنے پیشانی کا جھومر

صاحبزادی طوبیٰ کی رخصتی کے موقع پر حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کا منظوم دعائیہ کلام

جاتی ہو مری جان- خدا حافظ و ناصر
اللہ نگہبان- خدا حافظ و ناصر

ہر گام فرشتوں کی حفاظت ہو نگہدار
ہر لحظہ و ہر آن- خدا حافظ و ناصر

مولیٰ کی محبت بنے پیشانی کا جھومر
طاعت رہے پہچان- خدا حافظ و ناصر

پیتی رہو تم ساقئ کوثر کے صبو سے
غٹ غٹ مۓ عرفان- خدا حافظ و ناصر

دل نذر کرو اس کی کہ محبوبِ خدا تھا
وہ بندۂ سبحان- خدا حافظ و ناصر

یہ گھر بھی تمہارا تھا کہ جو چھوڑ چلی ہو
طوبیٰ مری مہمان- خدا حافظ و ناصر

اس گھر کی بھی رانی بنو جس گھر پہ تمہارا
سرتاج ہو سلطان- خدا حافظ و ناصر

تم سے مجھے بچپن سے بہت پیار رہا ہے
بن جانا نہ انجان- خدا حافظ و ناصر

میری نہ کرو فکر کہ ہے میرا تو ہر دم
اللہ نگہبان- خدا حافظ و ناصر

کر دینا نہ امّی کو فراموش کہ دن رات
وہ تم پہ تھیں قربان- خدا حافظ و ناصر

اے نورِ نظر ابّا کی، دائم رہو شاداں
اے آصفہ کی جان- خدا حافظ و ناصر

الفضل انٹرنیشنل 14 مارچ تا 20 مارچ 1997ء

پروفیسر میاں محمد افضل

محبتِ الٰہی کا جھومر

ایک تحفۂ شادی

ایک دعا دل سے اٹھی اور شرفِ قبولیت پاگئی اور کس نرالے انداز میں کہ انسان وجد کرے۔ حضرت بانی سلسلہ نے اپنی اولاد کے لئے دعا کی' ایک منظوم دعا' جس میں یہ بھی استدعا کی گئی: "دے بختِ جاودانی' اور فیضِ آسمانی" اور آسمان نے اس خانوادہ پر فیض کے در کھول دئے۔ افراد خاندان روحانی اور دنیاوی انعامات سے نوازے گئے لیکن اس فیض آسمانی کا ایک انوکھا رنگ ملاحظہ کیجئے۔ انداز اتنا نرالہ' اتنا پیارا۔

ایک بیٹی اپنا نیا گھر بسانے کے لئے اپنے گھر سے رخصت ہو رہی ہے۔ ہر روز ہزاروں بیٹیاں رخصت ہوتی ہیں اور یہ کیفیت کچھ ملی جلی سی ہوتی ہے۔ والد اور والدہ کی آنکھوں میں چمک بھی کہ ایک اہم فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں کچھ بجھی ہوئی سی بھی کہ پیاری بیٹی پرائی ہو رہی ہے۔ خوشی کی لہر بھی کہ بیٹی کا گھر بس رہا ہے اور دل پہ کچھ کاسا بھی کہ وہ جو گھر کی رونق تھی' جس کی ہنستی' مسکراتی آنکھیں ماں باپ کے چہرے پہ رونق لے آتیں' جس کی بھولی بھالی پیاری باتیں ان کو خوشی بخشتیں' اب وہ ہنستا' مسکراتا چہرہ قدرے دور چلا جائے گا۔ وہ کھنکتی ہوئی ہنسی اب کسی اور در و دیوار میں گونجے گی۔ وہ معصوم سی حرکات اب کچھ سنجیدگی کا روپ دھار لیں گی اور نئے ماحول کو رونق بخشیں گی۔ رخصتی کا وقت جب آن پہنچا تو بچی لباس فاخرہ میں ملبوس' چمکتی پیشانی مگر اداس چہرہ' برستی آنکھوں سے بابل کا گھر چھوڑ رہی ہے' وہ گھر جہاں اس کا بچپن گذرا' جہاں وہ پروان چڑھی' جہاں وہ محبتوں کے ہالہ میں گھری رہی۔ آج بھی ایک بیٹی رخصت ہو رہی ہے ایک کلی ایک انتہائی برگزیدہ خاندان کی ایک نیک بیٹی۔ مگر آج شادی کے کارکنوں میں ایک نیا کارکن بھی شامل۔ آج ایک بالکل انوکھی بات ہو رہی ہے۔ آج فضاؤں کو بھی ایک فرض سونپا گیا ہے۔ آج آسمان کو بھی ایک فریضہ ادا کرنا ہے۔ آج آسمان سے ایک فیض کا نزول ہوگا مگر ایک انوکھے رنگ میں' وہی فیض جو اسی خاندان کے بزرگ نے اپنی اولاد کے لئے مانگا۔ جو کئی رنگوں میں ظاہر ہوتا رہا مگر آج اس کا ایک بالکل انوکھا رنگ قابل دید ہے۔

صاجزادی طوبیٰ ہمارے پیارے محبوب آقا حضرت امام جماعت الرابع کی سب سے چھوٹی' سب سے پیاری صاجزادی کو بھی اپنا نیا گھر آباد کرنا ہے۔ ایک دوسرے حسین دور کا آغاز کرنا ہے۔ اسے بھی اپنے والد محترم کے گھر کو الوداع کہنا ہے۔ وہ جو گھر کی رونق تھی آج کسی اور گھر کو رونق بخشے گی۔ وہ جو اپنے والد محترم کی پیاری ہے آج کہیں اور سے بھی پیار پائے گی۔ اسے وداع ہونا ہے مگر کہاں سے؟ آج بچیاں ہوٹلوں سے۔ شادی گھروں سے' پارکوں سے وداع ہوتی ہیں۔ دکھ ہوتا ہے والدین کی ایسی بے اعتنائی دیکھ کر۔ لڑکیاں تو ہمیشہ اپنے گھروں سے وداع ہوتی رہی ہیں۔ مگر برا ہو اس جذبہ نمائش کا کہ آج ان کی رخصتی سے قبل ہی ان پر گھر کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں۔ ماں باپ انہیں کسی ہوٹل میں لے جاتے ہیں کیونکہ ایک شاندار ہوٹل سے سجی سجائی کار میں بٹھایا جائے تو اخبار میں خبر آئے گی کہ فلاں کی بیٹی ہوٹل پرل کانٹینینٹل سے بڑی شان سے رخصت ہوئی۔ احباب و اغیار خبر پڑھیں گے تو ہمارا سر فخر سے اونچا ہو جائے گا۔ سو آج فخر کے اظہار کا جذبہ پیار و محبت کے جذبہ پر غالب آیا۔ وہ جو اپنے والد۔ والدہ کی محبت بھری بانہوں کا سہارا لئے ہوئے اپنے گھر کی دہلیز پار کرنے کا تصور تھا' وہ دھندلا گیا۔ ہوٹلوں کی چکا چوند' ظاہرداری' نمود و نمائش نے یہ جذبہ بھی ہم سے چھین لیا..... مگر میرا قلم تو بھٹک گیا۔ میں تو بات کر رہا تھا ایک ننھی سی' ایک پیاری سی' محبوب امام کی محبوب بیٹی کی۔

اسے بھی تو رخصت ہونا ہے مگر کہاں سے؟ ان کے والد محترم کی سوچ کا موازنہ کیجئے آجکل کے جدیدیت پرست لوگوں کی سوچ سے۔ موخر الذکر تو اپنی شان اور بڑائی کے لئے بڑے ہوٹلوں کا سہارا لیتے ہیں۔ مگر یہاں سوچ بہت ہی مختلف۔ وہ رخصت ہو سکتی تھیں لندن کے اس گھر سے جو ان کے پیارے ابا کا گھر ہے۔ مگر محترم ابا کی سوچ ملاحظہ ہو۔ انہیں اپنی لخت جگر کو اس گھر سے بھی وداع نہیں کرنا۔ یہ گھر تو ضرور ہے مگر عارضی گھر' اصل گھر تو وہی ہے جس کی دیواریں بچی کے محترم دادا نے استوار کیں اور جسے اس منور وجود نے روشن کیا جس میں مادر مشفق کی محبت کی خوشبو آج بھی رچی ہوئی ہے۔ وہ گھر جو منور ہوا۔ متبرک ہوا۔ درخشاں وجودوں سے۔ اینٹ گارے کا سادہ سا گھر مگر اپنی شان میں کتنا بلند۔ معطر و مطہر۔ روشن و منور۔ کر سکتا ہے کوئی بظاہر شاندار ہوٹل کا اس بظاہر سادہ سے گھر سے مقابلہ؟ یہ وہ متبرک گھر ہے جس کے کونے کونے کو سجدوں سے سجایا گیا۔ جس کی فضا دعاؤں سے معمور ہے۔ جس میں محبتیں بکھیری گئیں۔ الفتیں بانٹی گئیں۔ جس سے برکتیں سمیٹی گئیں۔ ہے کوئی مقابلہ اس پیار و محبت۔ پاکی و پاکیزگی پر استوار گھر کا کسی ظاہری چکا چوند سے؟ سو یہ فیصلہ کتنا موزوں تھا جو اس پیاری سی بیٹی کے والد محترم نے کیا۔ اسے رخصت کیا جائے تو اس متبرک گھر سے۔ مگر کتنا مشکل تھا یہ فیصلہ ایک محبت کرنے والے باپ کے لئے۔ کیونکہ ایسے میں شفیق باپ کا محبت بھرا ہاتھ اس لمحے اس کے سر پر نہیں ہوگا۔ ایک محرومی کا احساس۔ مگر یہ اس جذبہ پر غالب نہ آسکا جس کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا۔ سو والد محترم نے بھیگی آنکھوں سے اپنی عزیز بیٹی کے سر پر لندن کے اس عارضی گھر میں ہاتھ رکھا۔ مغموم لہجے میں دعا دی: "جاتی ہو مری جان خدا حافظ و ناصر۔ اللہ نگہبان۔ خدا حافظ و ناصر" بچی کو فرشتوں کی حفاظت میں لندن کے گھر سے رخصت کیا۔ یہ ایک قربانی تھی مگر اس کا محرک تھا اپنے آباؤ اجداد کے احترام کا جذبہ۔ اپنے اصل گھر سے اپنی بیٹی کو رخصت کرنے کی

خواہش۔ اور بیٹی نے بھی بخوشی اس قربانی کو قبول کیا' وہ لندن کی رونقیں چھوڑ ایک خاموش سے قصبہ میں آن پہنچی مگر وہ قصبہ سربلند ہوا اس عزت افزائی پر۔ جھوم اٹھا خوشیوں کے تصور سے ربوہ کے در و دیوار پہ چھائی ہوئی اداسیاں مسرتوں میں بدل گئیں۔ مہر خاموشی ٹوٹی۔ خوشیاں بکھر گئیں ہاتھ مصروف کار ہوئے' دل شکر گذار ہوئے' ربوہ کے در و دیوار سجنے لگے گویا چمن میں بہار آگئی۔ اور پھر وہ خوشیوں بھرا دن آن پہنچا۔ چمکتے ہوئے رنگین پیراہن' خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے۔ مسرتیں ابلتی ہوئیں۔ شادمانیاں ابھرتی ہوئیں۔ عورتوں کے پنڈال میں اللہ کی حمد کے ترانے گاتی ہوئی بچیاں۔ مدھر سروں میں گایا سوئے آسمان اٹھتا ہوا نغمہ۔ نہ ڈھول نہ تھاپ۔ نہ بینڈ نہ باجا۔ نہ شور مچاتا ہوا فلمی گانا (جو کہ شادیوں کا معمول ہے) بلکہ نہایت ہی شیریں کلام۔ سبحان من یرانی۔ اللہ کی حمد بھی اور یہ اظہار بھی کہ وہ یہ سب دیکھ رہا ہے۔ کتنی پاکیزہ محفل۔ کتنا احسن خوشی و مسرت کا اظہار۔ اللہ کی پاکیزگی کا بیان اور اس کی قربت کا احساس۔ اور اس طرح یہ پاکیزہ کلام بنا جانِ محفل۔ ایک گلدستۂ دعا' ایک دعائیہ تحفہ۔ بزرگ پر دادا کی طرف سے اور ایک ایسا سماں بندھ گیا کہ حاضرین کے لبوں سے بھی پاک ہے اللہ' پاک ہے اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔

مردوں کا پنڈال بھی کھچا کھچ بھرا ہوا۔ بہت سے مانوس چہرے مگر کچھ ایسے بھی جو اس جگہ پہلی بار نظر آئے اور یہ اس لئے کہ ہر ایک کو ذاتی پیغام ملا۔ اور وہ پیغام پہنچا سمندر پار سے' ایک پیغام محبت۔ ایک محبت کرنے والے محترم وجود کا دعوت نامہ۔ ایک ایک کو یاد رکھنے والے مشفق و مہربان کا بلاوا۔ ایک ذاتی پیغام اس عظیم ہستی کی طرف سے جو فرق نہیں کرتی اپنوں اور غیروں میں' اس لئے مانوس چہرے بھی اور اجنبی چہرے بھی واقف بھی اور ناواقف بھی ملک کے طول و عرض سے کشاں کشاں کھنچے چلے آئے۔ وہ جنہوں نے پہلے بار اس خطہ زمین میں قدم رکھا وہ مسرور بھی اور ممنون بھی' کتنا خیال رکھنے والا ہے وہ پیارا انسان جس نے مسرت کی گھڑیوں میں سبھی کو شامل کرنا چاہا۔ لوگ اس عزت افزائی پر اس اپنائیت کے اظہار پر پھولے نہیں سماتے۔

ان میں دو وہ نوجوان بھی تھے جن کے پاس جب دعوت نامہ پہنچا تو انہوں نے اسے آنکھوں سے لگایا' پھر ہونٹوں پہ سجایا کیونکہ یہ ایک ایسی عظیم ہستی کی طرف سے تھا جنہوں نے اتنی سی بات نہ بھلائی کہ ان کے محترم بزرگ دادا ان نوجوانوں کے دادا کے پاس کبھی کبھار اس راہ سے گزرتے ہوئے' آتے۔ بظاہر ایک ہلکا سا تعلق خاطر جو گہرے نقوش ثبت کر دیتا ہے ان پہ جو اپنے بزرگوں کی ہر چھوٹی بڑی بات کی قدر کرتے ہیں۔ اور پھر ملاحظہ ہو اس خاندان کا جذبہ احترام۔ یہ خاندان اس دامن سے وابستہ تو نہ ہو سکا لیکن داد دینی پڑتی ہے اس خاندان کی جس کے بزرگوں نے نہ صرف اس واقعہ کو باعث عزت و افتخار سمجھا بلکہ وصیت کی کہ اس کو اگلی نسلوں تک پہنچایا جائے۔ اسی لئے ان نوجوانوں کو یہ واقعہ یا واقعات اس طرح یاد' گویا ان بزرگ محترم کی آمد ان کے سامنے ہوئی۔ بہر حال بڑے ہی شوق و اشتیاق کے ساتھ یہ نوجوان اس محفل میں شامل ہوئے۔ اور ایسے ہی کئی اور' اس خدشہ کے باوجود کہ تنقیدی و تخریبی نگاہیں ان کی طرف اٹھیں گی۔ اس جذبہ محبت کے احترام میں کشاں کشاں چلے آئے۔ اسی لئے اس محفل میں مانوس چہرے بھی اور غیر مانوس بھی۔ ایک نادر تقریب ایک بہت بڑا اجتماع ایک مسرت و شادمانی کا موقعہ۔ قصر امامت جو ایک عرصہ سے خاموش و مغموم۔ اداس و منتظر تھا' آج پھر شاداب و آباد ہے۔ پھر شگفتہ و پر بہار' پھول کھل اٹھے' گھاس چمک گئی۔ دیواریں بولنے لگیں۔ مسرت کے نغمے ابلنے لگے۔ اللہ اس کی بہاروں کو اس کی شادمانیوں کو ہمیشہ قائم رکھے۔

تقریب کا دعا سے آغاز ہوا۔ اکل و شرب سے کام و دہن کی تواضع ہوئی۔ لوگ مل بیٹھے۔ نئی پرانی باتیں ہوئیں۔ مسرت و شادمانی کا اظہار ہوا۔ مگر پھر محفل پہ قدرے اداسی چھا گئی۔ رخصتی کا وقت قریب آن پہنچا۔ یہ اداسی اس لئے کہ بچی کے والد محترم اس وقت سات سمندر پار بیٹھے ہیں۔ انہوں نے وہاں سے تو دعاؤں کے تحفے سے رخصت کیا لیکن اس لمحے' اس نہایت اہم لمحے وہ یہاں بچی کے سر پہ ہاتھ رکھنے کو موجود نہیں۔ وہ پھر اس کے سر پر دعاؤں کا تاج سجانے کو پاس نہیں۔ مگر ایک اعلان ہوتا ہے جو سب کو چونکا دیتا ہے۔ حضرت امام جماعت' محترمہ طوبیٰ کے والد محترم حاضرین سے بات بھی کریں گے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت بھی کریں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پانچ ہزار میل سے یہ دعائیں وقت پہ پہنچے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ جو بہت دور بیٹھے ہیں اس محفل میں شریک ہوں۔ ہاں! یہ آج ممکن ہے اس لئے کہ بہت عرصہ قبل اطلاع دی جا چکی تھی۔ "آسمان بارد نشان" اور آج آسمان نرالے نشان دکھلا رہا ہے۔ ایک خوبصورت جلوہ ایک انوکھی بات' اور آسمان نے نشان اس رنگ میں دکھلا دیا کہ چند ہی ثانیہ بعد ٹیلی ویژن پہ ایک مسکراتا ہوا چہرہ نمودار ہوا۔ اور سب نظریں حیرت اور مسرت سے ٹکٹکی باندھے اس پر نور چہرے کو دیکھنے لگیں۔ ایک خنداں و فرحاں چہرہ جو اس محفل میں شامل ہونے والے ہر فرد کا استقبال کر رہا ہے۔ بہت سوں کو ان کے ناموں سے پکارا جا رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار میل سے ایک آنکھ' ایک محبت بھری آنکھ ہر مہمان کا استقبال کر رہی ہے۔ کتنی عجیب بات' کتنا عجیب نشان کیا فیضِ آسمانی!! آج آسمان بھی اور اس کے نیچے تیرتے ہوئے انسانی ہاتھوں سے تراشیدہ سیارے بھی اس انوکھے استقبال کو ممکن بنانے میں ممد ہیں۔ وہ بھی پیغام محبت پہنچانے کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ ہوا کسی شادی پہ ایسے؟ کہ مصنوعی سیارے بھی تقریب کے کارکن بن جائیں۔ وہ پیغام رسانی کا فرض بھی ادا کریں اور میزبان کو مہمانوں سے ملانے کا بھی' اور سب سے اہم کہ ایک باپ کی دعائیں اپنی بچی تک پہنچانے کا' آسمان نے کیا عجب نشان دکھلایا کہ یہ ایک انوکھی تقریب بن گئی۔ میزبان ہزاروں میل سے ایک ایک مہمان کو اپنی قربت کا احساس دلا رہے ہیں۔ ان کی آؤ بھگت کر رہے ہیں۔ پیغام محبت دے رہے ہیں۔ استقبال تو ہو چکا۔ مہمانوں سے گویا باتیں ہو گئیں۔ اور پھر وہ نازک لمحہ آن پہنچا۔ جب ایک والد نے اپنی پیاری بیٹی کو رخصت کرنا ہے۔ طوبیٰ "میری مہمان" گھر چھوڑ چلی ہے اسے کسی اور گھر کی رانی بننا ہے۔ مشفق و شفیق والد محترم پیار کا اظہار کئے بنا نہیں رہ سکتے۔

"تم سے مجھے بچپن سے بہت پیار رہا ہے" اور آج یہ پیار کا ہی پیارا انداز ہے کہ فاصلے اس اظہار محبت میں حائل نہیں ہو سکتے۔ اور پھر ہاتھ دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں اور پھر چشم فلک نے ایک عجیب نظارہ دیکھا ایسانظارہ جو پہلے کبھی خطہ ارضی پہ نظر نہ آیا تھا۔ صرف ان مہمانوں کے ہاتھ ہی دعا کے لئے نہیں اٹھ رہے بلکہ دنیا کے کونے کونے سے ہزاروں نہیں لاکھوں ہاتھ دعا کے لئے ایک ساتھ اٹھ جاتے ہیں۔ ہے کوئی ایسی بچی جس کے لئے دنیا کے طول وعرض سے لاکھوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے ہوں۔ جس کو اتنی ڈھیروں ڈھیر دعاؤں کا تحفہ ملا ہو۔ کتنی خوش قسمت ہے یہ بچی۔ کتنا کرم ہے اس پر۔ کیا خوش بختی ہے کہ اسے ہر ملک سے، دنیا کے کونے کونے سے دعائیں پہنچ رہی ہیں 'ایک انہونی سی بات' ایک انوکھی بات۔ لیکن جہاں محبت ہو وہاں ہر انہونی بات بھی ممکن ہو جاتی ہے' کتنی خوش قسمت ہے اپنے ابا کی جان طوبیٰ تیرے لئے اتنے سارے لوگ' کالے بھی اور گورے بھی' شرق کے بھی اور غرب کے بھی دست بدعا ہیں اور پھر ایک اور امتیاز تمہارے والد محترم تمہیں زیور پیش کرتے ہیں کونسا زیور؟ ہار سنگھار تو اپنی بیٹیوں کے سبھی کرتے ہیں بعض تو زیوروں میں لاد دیتے ہیں مگر کتنے مختلف ہیں یہ والد محترم جو سب ہیرے جواہر سے زیادہ قیمتی زیور اپنی بیٹی کو دے رہے ہیں۔ مولیٰ کی محبت کا جھومر دلہن کی پیشانی سجا رہا ہے۔ کیا اس سے زیادہ خوبصورت' اس سے زیادہ حسین' اس سے اعلیٰ زیور بھی ہو سکتا ہے؟ جاؤ یہ تمہاری نئی دنیا روشن کرے۔ جاؤ اپنے پیارے ابا کی جان۔ جاؤ ایک نیا گھر آباد کرو۔ تم اس گھر کی رانی بنو۔ شاد رہو۔ آباد رہو۔

"اے نورِ نظر ابا کی' دائم رہو شاداں
اے آصفہ کی جان۔ خدا حافظ و ناصر"

ooo

صفحہ ۱۲ سے آگے

جس کے ساتھ غلبۂ دینِ حق مقدر ہو چکا ہے۔ اور جو تخم ریزی حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ ..... کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی وہ اس مبارک نظام کے ذریعہ پروان چڑھے گی اور اس شجرۂ طیبہ کی شاخیں تمام دنیا پہ محیط ہو جائیں گی۔

بقیہ صفحہ ۱۵

یہ نظارہ سلسلہ احمدیہ کے دشمنوں کے لئے نہایت درجہ رُوح فرسا تھا جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ بس اب اس سلسلہ کے مٹنے کا وقت آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو پھر ایک ہاتھ پر جمع کرکے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور دُنیا کو بتا دیا کہ یہ پَودا خدا کے ہاتھ کا لگایا ہُوا ہے اور کسی انسان کو طاقت نہیں کہ اسے مٹا سکے۔

ان موصیات کے پتہ جات فوری طور پر درکار ہیں

۱۔ مکرمہ بلقیس صداقت صاحبہ (وصیت نمبر 19540)
۲۔ مکرمہ نسیم طاہرہ صاحبہ زوجہ مکرم مبارک احمد صاحب (وصیت نمبر 17729)
۳۔ مکرمہ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم صوفی غلام اللہ صاحب (وصیت نمبر 5401)

براہ مہربانی سیکرٹری وصایا سے جلد رابطہ کریں۔ شکریہ

ٹوکنا اور روکنا

آپ نے کسی کو غلط کام کرتے دیکھا تو ٹوکا اور روکا یا آپ خاموش رہے۔ آپ کو یقیناً کبھی نہ کبھی اس بات کا تجربہ ہوا ہوگا کہ آپ کے سامنے کوئی شخص غلط بات کہہ رہا ہے۔ غلط کام کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے بعض اوقات آپ نے اسے ٹوکا ہو اور روکا ہو اور وہ واقعی رک گیا ہو۔ اور آپ کو اس بات سے بڑا اطمینان حاصل ہوا ہو کہ میں نے ایک غلط بات کہنے نہیں دی یا ایک غلط کام کرنے نہیں دیا۔ لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ کے ٹوکنے اور روکنے کے باوجود اس شخص نے اپنی بات اور اپنا کام جاری رکھا۔ اس نے آپ کی پرواہ ہی نہیں کی۔ اگر ایسا ہوا تو اس بات کا امکان ہے کہ آپ کو غصہ آیا ہو کہ آپ کی بات مانی کیوں نہیں گئی۔ یہ آپ کی انا بھی ہو سکتی ہے اور آپ کی ہمدردی کا اظہار بھی۔ آخر جب ہم کسی سے کوئی بات کہتے ہیں تو اسی لئے کہتے ہیں کہ ہماری بات سنی جائے اور اس پر عمل کیا جائے ضروری تو نہیں کہ ہماری ہر بات پر عمل کیا جائے لیکن ہماری دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ چونکہ ہم نے ہمدردی سے ایک بات کہی ہے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ لیکن اگر عمل نہ ہو تو کیا آپ اپنی برافروختگی کو ضبط کر سکتے ہیں۔

یہ مختلف تجربات تو ہمیں آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور کسی ایک کو نہیں۔ ہم سب کو۔ چاہئے یہ کہ ہم کسی بری بات کو روک سکتے ہوں تو روکیں یعنی بری بات کہنے یا کرنے والے سے کہیں کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اگر ہم نصیحت کر سکتے ہوں تو نصیحت کریں اور اگر ہم اس حیثیت میں ہوں کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیں تو اس کا ہاتھ پکڑ کر ہمیں روکنا چاہئے۔ آخر ہمیں یہ بھی تو بتایا گیا ہے۔ مظلوم کی مدد بھی کی جائے اور ظالم کی بھی۔ اور ظالم کی مدد اس طرح کی جائے کہ اس کا ہاتھ روکا جائے لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ اس حیثیت میں نہ ہوں کہ اپنے ہاتھ سے اس بات کو روکیں تو گویا کہ آپ ہاتھ سے بھی نہ روک سکے اور زبان سے بھی نہ روک سکے۔ تو اب دل کی باری آتی ہے۔ آپ اپنے دل میں اس بات کو برا مانیئے۔ خاموش تو رہیے لیکن آپ کا دل خاموش نہ رہے جس بات کو آپ برا سمجھتے ہیں وہ اسے برا کہے اور صرف کہے نہیں بلکہ یہ عہد کرلے کہ میں نے یہ بات نہیں کرنی۔ گویا اس طرح بھی اگرچہ برائی کا خاتمہ تو نہیں ہوتا لیکن برائی کم تو ضرور ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کم ہوتے ہوتے برائی ہی ختم ہو جائے۔

پس ایسا ضرور کیجئے کہ اگر آپ اس حیثیت میں ہیں کہ ہاتھ سے روکیں تو ہاتھ سے روکئے نہیں تو زبان سے روکئے۔ اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل میں بری بات کو بری سمجھ کر یہ عزم کریں کہ آپ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ حالات چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ برائی کو برائی ہی سمجھا جائے گا۔

اگر آپ کو کوئی ایسا تجربہ ہوا ہے کہ آپ نے کسی کو ٹوکا اور روکا تو یا وہ باز آگیا یا وہ باز نہیں آیا تو یہ بتایئے کہ آپ کی کس بات نے اس پر اثر کیا اور اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ یہ بھی ایسی بات ہے جو ہم سب کے کام آ سکتی ہے۔ اس کا نفسیات سے تعلق ہے۔ دوہری نفسیات سے۔ یعنی ہماری اپنی نفسیات سے بھی اور دوسرے شخص کی نفسیات سے بھی۔ اگر ہم اس کا گہرا مطالعہ کریں تو ہم یقیناً بہتر نتائج تک پہنچ سکتے ہیں۔ کیا آپ اپنا ایسا کوئی واقعہ تحریر کریں گے۔ ضرور کیجئے۔

ہم اس سلسلے کی ابتدا کرتے ہوئے ایک استاد صاحب ظہور دین بابر جو ایک ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل ہیں کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

(ن۔ س)

استاد اور ضبط و تحمل

ویسے تو سب کے لئے ہی اعلیٰ اخلاق و کردار کا حامل ہونا ضروری ہے مگر استاد کے لئے ان اوصاف کی اہمیت و ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے خصوصاً ضبط و تحمل اور قوت برداشت کی۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے معاملات درپیش ہو جاتے ہیں کہ جہاں انسان فوراً مغلوب الغضب ہو سکتا ہے مگر استاد کو ایسے موقعہ پر بڑی احتیاط لازم ہے کیونکہ استاد کی ذرا سی بھول کام خراب کر سکتی ہے اور شاگرد کی نظروں میں اچھا تاثر پیدا نہیں کرتی۔ اس کے برعکس اس کے ضبط و تحمل کا مظاہرہ شاگرد کو ہمیشہ کے لئے گرویدہ بنا لیتا ہے اور اس میں بھی ویسے ہی اوصاف جنم لیتے ہیں اور وہ استاد کے طرز عمل کو بعض اوقات ساری زندگی یاد رکھتا ہے۔

ایک مدت گزر گئی کہ ان دنوں گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی رسول کے پرنسپل جو بعد میں سارے پنجاب کے ڈائریکٹر فنی تعلیم کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے' شام کے بعد اپنی بیگم کے ہمراہ کالج کیمپس کی سیر کو نکلے۔ یاد رہے کہ یہ ادارہ ایک تاریخی ادارہ ہے جو کئی مربع اراضی پر قائم ہے اور اساتذہ کی رہائش گاہیں بھی اس کے اندر واقع ہیں۔ عہد انگریزی میں قائم ہوا تھا۔ اس کے سبزہ زار اور بلند و بالا درخت ایک دلفریب منظر پیش کرتے ہیں جن میں خصوصی طرز تعمیر کی کالج کی سرخ رنگ کی پرشکوہ عمارات اپنی ہی شان رکھتی ہیں۔ پرنسپل صاحب اپنی کوٹھی سے نکلے اور بیگم کے ہمراہ خراماں خراماں چلتے جا رہے تھے کہ ہوسٹل کے لڑکوں نے دیکھا۔ غالبًا نئے داخل ہونے والے لڑکے تھے۔ انہیں شرارت سوجھی۔ آوازے کسنے لگے۔ پرنسپل صاحب نے سن لیا مگر خاموشی سے گزر گئے۔ اگلے روز اسمبلی کے موقعہ پر پرنسپل صاحب سٹیج پر آ گئے۔ ہوسٹل کے طلباء کا ماتھا ٹھنکا۔ رات والی بات یاد آ گئی۔ آپ طلباء سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ ہمارے معاشرہ میں ایک استاد کا مقام باپ کے برابر ہے نا۔ طلباء نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ نے اپنی بیگم کو قریب آنے کا اشارہ کیا جو آپ کے ساتھ ہی تشریف لائیں تھیں۔ آپ دوبارہ طلباء کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "تو پھر یہ خاتون جو میری بیوی ہے آپ کی ماں کے برابر ٹھہریں" طلباء نے سر جھکا لئے بعد میں پرنسپل صاحب معمول کے مطابق بیگم کے ہمراہ سیر کرتے رہے مگر کوئی آوازہ نہ سنی۔

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس سے شہر کی جانب یونیورسٹی کی بس معمول کے راؤنڈ پر چلی تو اگلے حصہ مستورات میں ایک خاتون کو دیکھ کر چند

لڑکے آپس میں استفسار کرنے لگے "یہ خوبصورت لڑکی کون ہے؟" کسی نے کوئی تبصرہ کر دیا اور دوسرے ہنس پڑے۔ ایسے ہی پاس بیٹھے یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے استاد نامور شاعر پروفیسر سجاد باقر رضوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولے "نوجوان یہ خوبصورت لڑکی میری بیوی ہے سمجھے"۔

اب لڑکے ہیں کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ہے۔ کیا کرتے ندامت کے مارے منہ چھپانے لگے۔

ایک ایسا واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا۔ منڈی بہاؤالدین میں ملازمت کے دوران ایک دن میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہونے کے لئے ریلوے اسٹیشن آیا۔ اہلیہ کو بٹھا کر ٹکٹ لینے گیا۔ واپس آیا تو دیکھا کہ چند لڑکے شریر نظروں سے آس پاس گھوم رہے ہیں۔ یہ لڑکے میرے کالج کے تھے اور اسی گاڑی سے حسب معمول اپنے گھر ملک وال جا رہے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو چہروں کے رنگ فق ہو گئے اور فوراً سب رفو چکر ہو گئے۔ اگلے روز کالج نہ آئے اور کئی روز تک یہ غیر حاضری جاری رہی۔ میں نے کسی ذریعہ سے پیغام بھجوایا کہ آ جاؤ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ وہ آئے تو ایسے شرمندہ کہ سر نہ اٹھاتے تھے۔ انہیں مناسب رنگ میں سمجھا دیا۔ بعد میں جب تک کالج میں رہے مجھ سے نظر چراتے رہے۔

ہمارے ہاں مذہبی مسائل پر معاملات چلتے رہتے ہیں۔ ایک بار مجھے انتظامیہ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میں کچھ روز کے لئے چھٹی کر لوں کیونکہ بعض طلباء کی طرف سے مجھ پر حملے کا خطرہ ہے۔ میں نے ایسی چھٹی لینے سے انکار کر دیا اور فرائض کی ادائیگی پر اصرار کیا۔ ڈی ایس پی صاحب نے ہمدردانہ رنگ میں سمجھایا مگر میں نہ مانا۔ اپنے طور پر جب میں نے تحقیق کی تو چند طلباء کے بارے علم ہوا کہ وہ کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے ان کو بلا کر کہا کہ آپ لوگوں کے بارے مجھے علم ہوا ہے کہ آپ مجھ سے شاکی ہیں۔ میں یہی موجود رہوں گا اور کہیں نہ جاؤں گا۔ میرا رویہ تمہارے سامنے ہے کہ میں نے کبھی کسی سے برا سلوک نہیں کیا۔ اگر کسی کے اکسانے پر تم کوئی حرکت کرو گے تو شاگردی کے نام پر دھبہ لگاؤ گے اور بدنامی حاصل کرو گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں گا کیونکہ تم مجھے بچوں کی طرح عزیز ہو اور ایک باپ اپنے بچوں سے ہر ممکن حد تک شفقت کا سلوک برتتا ہے اب تمہاری خوشی جو چاہو کرو۔ وہ سخت نادم ہوئے اور کہا کہ وہ کسی کے ورغلانے پر بیوقوف بنے تھے مگر اب کسی طرح کی کوئی بات نہ ہو گی۔ پورا یقین رکھیں اور واقعی کچھ نہ ہوا۔

میرے شیر خوار بچے کو ایک موقعہ پر ڈاکٹر صاحب نے صرف گائے کے دودھ پر اکتفا کرنے کا کہا۔ مشکل یہ پڑی کہ قرب و جوار میں کسی کے ہاں گائے نہ تھی۔ ایک گھر کا سراغ ملا اور یہ بھی کھلا کہ وہ گھرانہ میرے شاگرد کا ہے چنانچہ اس کو بلوا کر میں نے کہا کہ روزانہ اس قدر گائے کا دودھ مہیا کر دیا کرے۔ اس نے حامی بھر لی مگر دودھ نہ بھیجا۔ میں نے بھی دوبارہ نہ پوچھا اور متبادل انتظام کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکے کی والدہ نے سوچا کہ استاد سے ہم پیسے مانگ نہ سکیں گے اور اگر وہ خود نہ دے گا تو کیا ہو گا اس لئے دودھ نہ دیا۔ میرا کام کسی اور ذریعہ سے بن گیا تھا اور وقت گزر گیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک مصیبت ان پر آن پڑی تو اس لڑکے کے والدین بھاگم بھاگ میرے پاس آئے۔ میری کوشش سے وہ مشکل ختم ہو گئی۔ چند روز بعد آ کر پرانے واقعہ پر معذرت کرنے لگے اور دودھ کی پیش کش کی۔ میں نے شکریہ کے ساتھ جواب دے دیا کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ انہیں یقین نہ آیا اور بار بار معذرت کرتے رہے۔ میں نے بہت یقین دلایا کہ بات ختم کریں مگر ان کی [illegible] نہ ہوتی تھی۔

ایک بار میرے کالج کے ایک طالب علم نے ایسی حرکت کر دی جس کے نتیجہ میں طویل فساد کی شکل بن گئی۔ میں کئی ماہ تک اس مسئلہ کو سلجھاتا رہا اور خاصی پریشانی اٹھانی پڑی۔ میرا ذاتی تاثر تھا کہ لڑکا شریف النفس ہے اور کسی کے کہنے پر اس نے یہ حرکت کر دی جس کے نتائج و عواقب کا اسے اندازہ نہ تھا۔ میں نے اس سے زیادہ باز پرس نہ کی۔ بعد میں ضرورت پڑنے پر میں نے اس کی مالی مدد ذاتی طور پر بھی کی اور کالج کے فنڈز سے بھی کر دی۔ وہ جب دو سال گزار کر فارغ ہوا تو خصوصی طور پر اجازت لے کر میرے دفتر میں آیا اور اپنی حرکت کا ذکر کر کے بہت افسوس اور ندامت کا اظہار کیا۔ بار بار اپنے الفاظ کو دہراتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھیں دھندلا گئیں۔ جب تک میں نے تشفی نہ کی اس کی تسلی نہ ہوئی۔

(کتاب "طلباء کے ساتھ ساتھ" کا ایک باب)

بقیہ صفحہ ۲۰

اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔"۔

(کشتی...... صفحہ 17)

المختصر اس مضمون کو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کے ایک بیان پر ختم کرتا ہوں۔ یہ بیان کیا ہے؟ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اخلاق کا ہلکا سا نقشہ ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں:-

"آپ نہایت رؤف و رحیم تھے، سخی تھے، مہمان نواز تھے، اشجع الناس تھے، ابتلاؤں کے وقت جب لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے، آپ شیر نر کی طرح آگے بڑھتے تھے۔ عفو، چشم پوشی، فیاضی، دیانت، خاکساری، صبر، شکر، استغناء، حیاء، غض بصر، عفت، محنت، قناعت، وفاداری، بے تکلفی، سادگی، شفقت، ادب الٰہی، ادب رسولؐ و بزرگان دین، حلم، میانہ روی، ادائیگی حقوق، ایفائے وعدہ، چستی، ہمدردی، اشاعت دین، تربیت، حسن معاشرت، مال کی نگہداشت، حفظ مراتب، حسن ظنی، ہمت اور اولوالعزمی، خود داری، خوش روئی اور کشادہ پیشانی، کظم غیظ..... ایثار..... انتظام، اشاعت علم و معرفت یہ مختصر آپ کے اخلاق و عادات تھے۔"۔

○○○

اولاد سے عفو اور در گذر کا سلوک

بچوں کو ہر وقت ڈانٹنا ڈپٹنا اور یہ سمجھنا کہ اس طرح ان کی تربیت کی جا رہی ہے غلط فہمی ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ کر اگر آپ تربیت کر بھی لیں تو بچے کے دل میں جو آپ کے لئے محبت پیدا ہونی چاہئے اور جس محبت کی وجہ سے وہ آپ کے لئے ساری عمر دعائیں کرے وہ پیدا نہیں ہوتی اور اس کی تربیت کے باوجود ایک بہت بڑی بات سے آپ محروم رہ جاتے ہیں اور وہ یہ کہ بچے آپ کے لئے دعائیں کریں۔ بچوں کی دعاؤں کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ ان کے والدین کی وفات کے بعد بچوں کے پاس سب سے اہم بات یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے لئے دعائیں کریں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جن والدین کے لئے ان کے بچے دعا نہیں کرتے یا کر نہیں سکتے ان والدین کے لئے یہ بات کوئی اچھی نہیں۔ اور ڈانٹنے ڈپٹنے سے نہ صرف یہ کہ محبت قائم نہیں رہتی بلکہ ایک انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ بچے ڈر کی وجہ سے بات مان لیتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی تربیت ہو گئی ہے۔ لیکن دراصل وہ ڈر کی وجہ سے مانتے ہیں۔ ان کا دل نہیں مانتا۔ اور وہ بات ماننے کے باوجود اس بات سے ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکتے۔ تو نقصان ہوا نا اس کا۔ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کر تربیت کرنے کے کئی نقصان ہیں۔ ایک تو یہ کہ بات بچے کے دل میں گھر نہیں کرتی۔ وہ مان بھی جائے تو انقباض کے ساتھ مانتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ بچوں اور ان کے والدین کے درمیان جو محبت ہونی چاہئے اور جس محبت کا نہ صرف بچوں کو فائدہ ہے بلکہ ان سے زیادہ ان کے والدین کو فائدہ ہے۔ اور والدین کو نہ صرف ان کی زندگی میں فائدہ ہے بلکہ اس دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی فائدہ ہے۔ اس سے وہ محروم ہو جاتے ہیں۔

جو چیزیں انسان یہاں سے گزر جانے کے بعد باقی چھوڑ جاتا ہے ان میں سے ایک اچھی چیز یہ ہے کہ اس کی اولاد اس کے لئے دعا کرنے والی ہو۔ یوں تو کہا جا سکتا ہے کہ ہر اولاد کو اپنے والدین کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ اور ہمارے خیال میں ہر اولاد اپنے والدین کے لئے دعا کرتی ہی ہے لیکن دعا میں جذبہ اور شدت پیدا کرنے کے لئے محبت کا تعلق مضبوط ہونا چاہئے۔ صرف لفظی طور پر بعض الفاظ کہہ کر دعا کر لینا اور بات ہے اور دعا کا دل کی تہہ سے نکلنا اور جذبے کے ساتھ نکلنا اور بات ہے۔ دعا تو قبول ہی وہ ہوتی ہے جو اضطراب کے ساتھ کی جائے۔ اور اگر اضطراب ہی پیدا نہ ہو تو دعا کرنے کا کیا فائدہ۔

پس یہ محبت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے پیار اور عفو سے کام لے کر بچوں کی تربیت کی جائے۔ ہر چھوٹی بڑی بات تو نقصان نہیں پیدا کرتی۔ تربیت کا ایک مقصد تو یہ بھی ہوتا ہے کہ بچہ کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے نقصان ہو۔ نقصان سے بچنے کے لئے یا اسے بچانے کے لئے اس کی تربیت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن نقصان کی بھی تو کئی اقسام ہیں۔ ایسے نقصان بھی ہیں جو بچوں کے کردار کو بلند نہیں ہونے دیتے اور ایسے وقتی اور لمحاتی نقصان بھی ہیں جن سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سوائے اس کے کہ چند پیسے ضائع ہو جاتے ہوں۔ اگر بچے سے گلاس اور پلیٹ ٹوٹے اور آپ اسے ڈانٹنے اور ڈپٹنے لگیں بلکہ اسے ایک تھپڑ بھی رسید کر دیں تو نہ اس گلاس اور پلیٹ نے واپس آنا ہے نہ بچے کی سمجھ میں یہ بات آسکے گی کہ اتنی چھوٹی سی بات پر آپ نے اسے ڈانٹا کیوں۔ وہ بڑوں سے بھی تو ایسے نقصان ہوتے دیکھتا ہے لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بڑوں سے نقصان ہو تو لوگ ہنس دیتے ہیں۔ چھوٹوں سے نقصان ہو تو ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں۔ اس فرق کو بچے خوب سمجھتے ہیں۔ آخر گھر میں سب کچھ ہوتا ہے چھوٹوں سے بھی اور بڑوں سے بھی اور اگر بڑوں سے اور سلوک ہو اور چھوٹوں سے اور سلوک ہو تو چھوٹے کچھ نہ کہنے کے باوجود اس بات کو اپنے دل سے معاف نہیں کر سکتے۔ وہ اسے یاد رکھتے ہیں۔ سختی کا ان پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ زائل بھی نہیں ہوتا۔ تربیت ہو جانے کے باوجود وہ اپنے ماں باپ کی محبت سے پرے ہٹ جاتے ہیں اور یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے۔

پس تربیت کے سلسلے میں یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ عفو اور درگزر کا سلوک کیا جائے اگر کسی چھوٹے موٹے نقصان پر بچے کو صرف سمجھا دیا جائے اور پیار کے ساتھ اسے بتا دیا جائے کہ نقصان تو ہو گیا ہے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں یہ نقصان آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ البتہ آئندہ وہ اس بات سے احتراز کرے کہ ایسا نقصان نہ ہو۔ تو یقیناً بچے پر زیادہ اثر ہو گا۔ بہتر اثر ہو گا۔ اس کے دل میں ماں باپ کی عزت بڑھتی رہے گی۔ عزت اور محبت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور حقیقی عزت وہی ہوتی ہے جو محبت کے ساتھ چلے۔ عزت تو بعض لوگ ڈر کی وجہ سے بھی کرتے ہیں۔ دکھاوے کے طور پر کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی عزت کے جذبات دل کی تہہ سے پیدا نہیں ہوتے اور دل کی تہہ سے اس لئے پیدا نہیں ہوتے کہ اس عزت میں محبت کا عنصر مفقود ہوتا ہے۔

پس یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہئے کہ اولاد کی تربیت نہایت ضروری ہے لیکن تربیت کے ساتھ ساتھ جس چیز کو ہمیشگی حاصل ہونی چاہئے وہ محبت ہے۔ تربیت بھی ہو اور محبت بھی بڑھے۔ تربیت سے وہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی اولاد۔ اور محبت سے والدین کو فائدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے۔ جب انسان اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو چند چیزیں جو اسے فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں ان میں سے ایک اس کی اولاد کی دعا ہے۔ اور اولاد دعا اور خاص طور پر اضطرار کے ساتھ دعا تو اسی صورت میں کرے گی کہ اسے والدین سے محبت ہو۔

پس عفو اور درگزر سے کی ہوئی تربیت دونوں طرف بہتر نتائج پیدا کیا کرتی ہے۔ تربیت بھی ہو جاتی ہے محبت بھی قائم رہتی ہے۔ پھر کیوں نہ یہی طریق اختیار کیا جائے۔ آئیے ہم اپنی اولاد کی اسی طرح تربیت کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے بچوں سے عفو و درگزر کریں۔

سلسلہ وار

آئیے نماز سیکھیں

تعوّذ

اَلرَّجِیْمِ	الشَّیْطٰنِ	مِنَ	بِاللّٰہِ	اَعُوْذُ
دھتکارا ہوُا	شیطان	سے	اللہ کی	مَیں پناہ مانگتا ہوں
مَیں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے				

تسمیہ

الرَّحِیْمِ	الرَّحْمٰنِ	بِسْمِ اللّٰہِ
بار بار رحم کرنے والا	بے حد کرم کرنے والا	اللہ کے نام کے ساتھ
(مَیں) اللہ کا نام لیکر جو بیحد کرم کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے (شروع کرتا ہوں)		

سُورۃ فاتحہ

اَلرَّحْمٰنِ	الْعٰلَمِیْنَ ۙ	رَبِّ	لِلّٰہِ	اَلْحَمْدُ
بے حد کرم کرنیوالا	تمام جہان	پالنے والا	اللہ کے لئے ہے	ہر تعریف
ہر (قسم کی) تعریف کا اللہ (ہی) مستحق ہے (جو) تمام جہانوں کا پالنے والا (ہے) بے حد کرم کرنے والا				
نَعْبُدُ	اِیَّاکَ	یَوْمِ الدِّیْنِ ۙ	مٰلِكِ	الرَّحِیْمِ ۙ
ہم عبادت کرتے ہیں	تیری ہی	قیامت کے دن کا	مالک ہے	بار بار رحم کرنے والا
(اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے (اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے				
الْمُسْتَقِیْمَ ۙ	الصِّرَاطَ	اِھْدِنَا	نَسْتَعِیْنُ ۙ	وَاِیَّاكَ
سیدھا	راستہ	ہمیں دکھا	ہم مدد مانگتے ہیں	اور تجھ سے ہی
ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا				
غَیْرِ	عَلَیْھِمْ ۙ	اَنْعَمْتَ	الَّذِیْنَ	صِرَاطَ
نہ تو	جن پر	تُونے انعام کیا	ان لوگوں کا	راستہ
راستہ جن پر تُونے انعام کیا ہے۔ جن پر نہ تو				
(اٰمِیْن)	الضَّآلِّیْنَ ۙ	وَلَا	عَلَیْھِمْ	الْمَغْضُوْبِ
(قبول فرما)	گمراہ	اور نہ	جن پر	غضب کیا گیا
غضب نازل ہوُا (ہے) اور نہ وہ (بعد میں) گمراہ (ہوگئے) ہیں (اے اللہ تو یہ دعا قبول فرما)				

THE PHILOSOPHY OF THE TEACHINGS OF ISLAM

The Promised Messiah's book, *The Philosophy of the Teachings of Islam*, has been published in many foreign languages. It is available here in the following languages.

Albanian	Bulgarian
Chinese	English
Greek	Hebrew
Persian	Polish
Russian	Spanish
Turkish	Urdu

All these books are priced at $2.00 each. Hard bound copies are available in the English version for a price of $2.50

Please send your orders to:

Ahmadiyya Movement in Islam
2141 Leroy Place, N.W.
Washington, DC 20008

ATTENTION, OFFICE HOLDERS

Please write member name and code number as reflected in the computer system.

Other books available from the above address are also listed in the next column. Order the books you need today.

REMEMBER TO WRITE YOUR MEMBER CODE ON ALL CHECKS AND CORRESPONDANCE

OTHER BOOKS
CURRENTLY AVAILABLE

The Holy Quran (Five Volumes)	75.00
The Holy Quran, Various languages, each	20.00
Tafseer Sagheer	15.00
Tafseer Kabeer, Arabic, Vol. 1, 2 (each)	10.00
Tafseer Kabeer, (Urdu) 10 volumes	60.00
Malfoozat, 10 volumes	60.00
Yassarnal Quran Primer	3.00
Introduction to the Study of the Holy Quran	7.00
Life of Muhammad (s.a.w.)	5.00
Absolute Justice, Kindness, Kinship	4.00
Elementary Study of Islam	1.00
Garden of the Righteous	10.00
Jesus in India	3.00
Where Did Jesus Die	3.00
Pathway to Paradise	2.00
Revival of Religion	0.50
Some Distinctive Features of Islam	0.50
Salat (Prayer Book)	2.00
Our Teachings	0.75
Essence of Islam	10.00
Murder in the Name of Allah	6.00
Way of Seekers	3.00
Ahmadiyyat, the Renaissance of Islam	10.00
A Man of God	6.00
Lessons of Islam (set of 4)	6.00
Waqf Nau Set	6.00
Gulf Crisis	8.00
Souvenir Baitur Rahman Mosque	8.00
Synopsis of Religious Preaching 1, 2 (each)	1.50
My Mentor	4.00
Rah-i-Huda	4.00
Tafheemat Rabbania	8.00
Shaheedan Rahe Wafa	3.00
Ibn Maryam	6.00
Tohfa Golarvia	6.00
As'hab-e-Ahmad	5.00
Spanish literature (Miscel.)	

لندن
24.4.97
3976 M

پیارے مکرم ایڈیٹر صاحب رسالہ "النور"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیارے مکرم برادر ڈاکٹر مظفر ظفر کی یاد میں مشتمل "النور" کا شمارہ ملا۔ ماشاء اللہ بہت اچھے مضامین ہیں اور ترتیب بھی اچھی ہے۔ مرحوم کی خوبیوں اور خدمتوں کا اچھا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور آپ سب کو جنہوں نے اس شمارہ کے لئے خلوص سے محنت کی ہے اللہ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ سب کو میری طرف سے بہت بہت محبت بھرا سلام اور دعا۔

والسلام
خاکسار
[signature]
خلیفۃ المسیح الرابع